ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ترکی میں اردو تدریس کے ادارے: تعارف و تاریخ

Urdu Teaching Institutions in Turkey: Introduction and History

ڈاکٹر تنویر غلام حسین

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Turks are among the great civilized nations of the world. The relations between Pakistan and Turkey are not a product of modern times, but their roots go back to the fifteenth century AD, when the Sufis of Turkic descent traveled to the Indian subcontinent for the purpose of propagating Islam. In the same way, when the Indian Muslims started arriving in Istanbul in the fifteenth century, these people took Urdu along with them. In the twentieth century, three Urdu newspapers in Istanbul, Pak Islam, Al-Dustur, and "Jehan-e-Islam" come before us. Finally, in 1947, when Pakistan came into existence as an independent country, these relations started to stabilize again and the Urdu language once again reached Turkey. First, an Urdu chair was established in Ankara University for the promotion of Pak-Turkey diplomatic relations. Later, the department of Urdu was also established in Istanbul University (Istanbul) and Seljuk University (Konya). This article presents the introduction and history of these institutions.

Keywords:

Subcontinent, Linguistic, Similarity, Jehan-e-Islam, The first center, Literature and research, Stability

ترکوں کا شمار دنیا کی عظیم تہذیب یافتہ قوموں میں ہوتا ہے۔ پاکستان اور ترکی کے تعلقات ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے لازوال رشتوں میں پیوست ہیں جن میں وقت گزرنے کے ساتھ مضبوطی اور استحکام پیدا ہو رہا ہے۔ یہ تعلقات زمانۂ حال کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ ان کی جڑیں پندرھویں صدی عیسوی میں جا ملتی ہیں جب اسلام کی تبلیغ کی خاطر ترک النسل صوفیاے کرام برصغیر پاک و ہند آئے۔ ان صوفیاے کرام نے تبلیغ کے ذریعے امن و امان، محبت اور بھائی چارے کا درس دیا اور دینِ اسلام کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ ان صوفیاے کرام نے تعلقات کے علاوہ زبان کی تشکیل کے عمل میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر میں ان صوفیاے کرام کی آمد نے اردو زبان کا بیج بونے میں اہم کردار ادا کیا اور یوں مقامی بولیوں کے ساتھ ترکی زبان کا ملاپ ہوا۔ یہ بولیاں بعد میں ارتقائی مراحل طے کرتی رہیں اور اُردو زبان برصغیر پاک و ہند کی ان بولیوں کی نکھری ہوئی صورت ہے۔ ترکوں کے باہمی تعلقات کے نقوش برصغیر پاک و ہند کی مسلم ثقافت اور زبان پر آج کے عہد میں زیادہ مستحکم اور واضح نظر آتے ہیں۔

لسانی روابط پر روشنی ڈالیں تو اردو زبان سے ترکوں کی قرابت کا احوال کئی صدیوں پر محیط ہے۔ اگرچہ اردو اور ترکی زبان، زبانوں کے دو الگ خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے آپس میں اشتراک سے انکار ممکن نہیں۔ اس اشتراک کی وجہ دونوں قوموں کے اسلامی، ثقافتی اور تاریخی پس منظر کا ایک ہونا ہے۔ اردو زبان سے ترکوں کی قرابت کا بنیادی حوالہ لفظ "اردو" بھی ہے جو ترکی زبان کے لفظ Ordu سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی فوج یا لشکر کے ہیں۔ آج بھی ترکی میں Ordu فوج کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ اردو زبان کی تشکیل و ترویج میں ترکی زبان اور ترکوں نے اہم کردار ادا کیا۔

لسانی خاندانی تناظر میں دیکھا جائے تو ترکی زبان کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ ایک مشرقی شاخ ہے جسے چغتائی اور دوسری مغربی شاخ ہے جسے عثمانی کہا جاتا ہے۔ ان میں اردو زبان کا تعلق مشرقی یعنی چغتائی شاخ سے جا ملتا ہے جب کہ مغربی شاخ یعنی عثمانی جدید ترکی زبان ہے۔ ان دونوں زبانوں کے تعلق اور آپس میں مطابقت کے حوالے سے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> "اردو زبان کا تعلق ہند آریائی زبانوں کے خاندان سے ہے اور ترکی زبان کا تعلق مغرب میں اورال، آلتائی سے ہے، اور اس کی مشرقی شاخ کو چغتائی کہا جاتا ہے جو برصغیر ہند میں آنے والے مسلم ترک فاتحین کی زبان تھی۔ لسانی محقق زبانوں کے اس خاندان کو تورانی کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اردو اور ترکی زبانیں دو مختلف لسانی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور دونوں زبانوں کا صوتی و صرفی نظام مختلف ہے۔ مگر اردو اور ترکی میں اشتراک و مماثلت

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

کی بھی بہت سی صورتیں مل جائیں گی جو لسانی اختلاف کے باوجود ان دونوں کے تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی ملاپ اور ہم آہنگی کا پتہ دیتی ہیں۔ اردو اور ترکی زبانوں کی نحوی ساخت میں بہت قُرب ہے۔ ان کی اضافت کی صورتوں میں خاصا اشتراک ہے۔ ان کے ذخیرہ لفظی، اسماوصفات کا بہت سا سرمایہ مشترک ہے۔ ان کی شعری و ادبی علامتوں، ترکیبوں، تشبیہوں، استعاروں اور تمثیلوں کا بیشتر خزانہ یکساں ہے۔ ان کے روحانی، اخلاقی اور معاشرتی افکار کا سرچشمہ ایک ہے۔ اس لیے ان کے محاوروں، حکایتوں، اقوال وضرب الامثال میں بڑا گہرا ربط ہے۔ اس لیے دو مختلف خاندانوں کی زبانیں ہوتے ہوئے بھی ان کی ہم رنگی وہم آہنگی کے بہت سے پہلوؤں کو نظر انداز کرنا مشکل ہے۔"(1)

اس اقتباس کو مدِ نظر رکھا جائے تو زمانہ حال میں بہت سی تبدیلیوں کے باوجود دونوں زبانوں کی مماثلت نمایاں نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ دونوں زبانوں کا صوتی و صرفی نظام مختلف ہونے کے باوجود تاریخی حالات وواقعات دینی، تہذیبی اور معاشرتی رشتوں کی استواری نے ان دونوں زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب کر کے انھیں وسیع تر انسانی و معاشرتی حلقوں میں پھیلنے اور بڑھنے کے مواقع عطا کیے اور آج جنوبی ایشیا میں لاہور، دہلی اور آگرہ کے ثقافتی مراکز اور اناطولیہ میں قونیہ، برصہ، اورنہ اور استنبول کے ثقافتی مراکز سے نکل کر دونوں زبانیں دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل گئی ہیں۔ آج اردو زبان نہ صرف جنوبی ایشیا کے لوگوں کے اظہار و بیان اور علمی و ادبی سرمائے کے بیان کا ذریعہ ہے بلکہ ایشیا اور یورپ کے کئی ممالک میں بولی جاتی ہے۔ دورِ جدید میں اردو زبان ایک بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ برِاعظم ایشیا کے علاوہ یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا غرض ہر برِاعظم میں اردو بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔ اسی طرح ترکی زبان قدیم سلجوقی و عثمانی دور کی روایات کو اپنے دامن میں سموئے دنیا کے بیشتر ممالک مثلاً چین، روس، یونان، جرمنی، ترکمانستان، آذربائیجان، ازبکستان، بوسنیا، افغانستان، عراق، ایران، شام، قبرص، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، رومانیہ، پولینڈ اور پاکستان وغیرہ میں بولی جاتی ہے۔

پاکستان میں قدیم ترکی زبان (آذری) گلگت کے گردونواح میں اب بھی بولی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ترکی اور اردو کے تقریباً پینتیس سو (۳۵۰۰) الفاظ مشترک ہیں۔(2) اسی طرح پنجابی زبان میں بھی ترکی الفاظ کی کسی قدر تعداد موجود ہے جو اس طرح آپس میں رچ بس گئے ہیں کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہے۔ یوں بھی اُردو زبان بنیادی طور پر وسط ایشیا کے قبائل کی زبان ہے جو ترکوں (سلجوقی و عثمانی) کا اصل وطن ہے اس لیے دونوں زبانوں کا آپس میں مماثلت رکھنا قدرتی امر ہے۔ دونوں زبانوں کی ثقافتی و تہذیبی قرابت کے باوجود ترکی زبان سیکھنے کا شوق پاکستان میں بہت کم لوگوں کو ہے اور پاکستان کی چند بڑی یونیورسٹیوں میں شعبہ ترکی ہونے کے باوجود ہر سال چند طلبہ داخلہ لیتے ہیں اور باقی اردو وانگریزی دان طبقہ معروف مصرع "زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم" کہہ کر اپنے فرض سے سبک دوش ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں ترکی زبان سے نا آشنائی کی بڑی وجہ ترکی کے رسم الخط کی تبدیلی بھی ہے۔ قدیم ترکی رسم الخط نسخ و نستعلیق تھا لیکن جمہوریت کے قیام کے بعد ۱۹۲۸ء میں لاطینی رسم الخط کو سرکاری سطح پر رائج کر دیا گیا۔ قدیم ترکی رسم الخط کے حوالے سے ظفر حسن آبیک لکھتے ہیں:

"ترکی زبان 1928ء تک عربی حرفوں میں لکھی جاتی تھی۔ ترکوں نے ان حرفوں کو خوش خط لکھنے میں اتنی ترقی کی تھی کہ کسی اور اسلامی ملک میں عربی حروف اتنی دل افروز شکل میں نہ لکھے جاتے تھے۔ میں نے عربی ملکوں میں دیکھا کہ خود عرب بھی اپنے حرفوں کو اتنی خوش خطی سے نہیں لکھتے جتنے کہ ترک لکھتے ہیں۔ ترکوں میں محمد اسعد یساری، طغرا کش حقی، احمد شوقی اور حافظ عثمان جیسے نامور خوش نویس پیدا کیے جنھوں نے نستعلیق، نسخ اور ثلث جیسے مختلف خطاطی کے طریقوں میں یدِ طولیٰ حاصل کیا۔"(3)

رسم الخط کی تبدیلی کے پیچھے مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) کی انقلابی سوچ کارفرما تھی کہ قدیم ترکی زبان سلاطین عثمانیہ کی تھی اور وہ ترکی کو یورپی ملکوں کے شانہ بشانہ چلتے دیکھنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اُس نے ضروری سمجھا کہ ترکی رسم الخط کو لاطینی رسم الخط میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ ترک جدید یورپی علوم کو بآسانی سمجھنے لگیں اور اُن میں قرابت پیدا ہو۔ رسم الخط کی تبدیلی کا ترکوں کو خاصا نقصان بھی اُٹھانا پڑا۔ مثلاً نادر علمی و ادبی خزانے جو مخطوطات کی صورت میں ترکی کے عجائب گھروں اور محلوں میں محفوظ ہیں، اُنھیں نئی نسل پڑھنے سے قاصر ہے۔ یوں نئی نسل اپنی عظیم تہذیبی روایات سے کسی حد تک ناآشنا ہے۔ آج کے دور میں شاذ ہی ایسے لوگ ہیں جو قدیم نستعلیق رسم الخط سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اگر ابتدا سے ہی تعلیمی اداروں میں اس رسم الخط کو بھی سکھایا جاتا تو آج ترک اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے لیکن اب اس کمی کو محسوس کیا جارہا ہے اور ترکی کی مختلف جامعات کی ادبیات فیکلٹی میں ان حروف کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ جو اشخاص قدیم رسم الخط سے آشنا ہیں اُن کی مدد سے قدیم ترک ادب مثلاً تفاسیر و تواریخ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

وغیرہ کے مخطوطات کو لاطینی رسم الخط میں منتقل کیا جارہا ہے تاکہ نئی ترک نسل اپنی عظیم تہذیب و ثقافت سے آشنا ہو سکے کیوں کہ یہی وہ عظیم عثمانی سلطنت کی زبان ہے جس کے گہرے اثرات برصغیر پاک و ہند تک پھیلے ہوئے ہیں اور نہ صرف اردو زبان کے ڈانڈے اس زبان سے جاملتے ہیں بلکہ ثقافتی اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند اور اردو زبان و ادب کی قدیم تہذیب و ثقافت جاننے کے لیے ترکوں کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے کیوں کہ اسلامی تاریخ میں ترکوں کی عظمت، ترنج میں ترکوں کی عظمت، تہذیبی اور سیاسی خدمات کا دائرہ اور فاتحانہ یلغار کا سلسلہ بہت وسیع اور صدیوں پر محیط ہے۔ ایک زمانے میں دیوار چین سے لے کر کریمیا اور تھر لیس تک اسلامی دنیا کا شمالی علاقہ ترک قوموں سے آباد تھا۔ بعد میں وسط ایشیا ازبکستان، تاجکستان، کرغیزستان ترکمانستان، آذر بائی جان، داغستان اور مشرقی ترکستان کے علاقے روسی اور چینی اشتراکی استبدادی نظام کے ماتحت ہو گئے۔ باقی آبادی گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور اناطولیہ (ایشیائے کوچک) ترکوں کا وطن ثانی ٹھہرا۔

چناں چہ ترک قبیلوں میں سے سلجوقی خاندان نے اناطولیہ میں سلجوقی سلطنت قائم کی جس کا مرکز قونیہ کو بنایا گیا۔ یہ سلطنت ۱۳۱۸ء تک قائم رہی۔ اس کے زوال کے بعد سیواس (Sivas) سے لے کر ازمیر (izmir) تک اناطولیہ ترکوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوا اور انھی میں ایک ریاست عثمان اوغلاری تھی جو بعد میں عظیم الشان سلطنت عثمانیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ عثمانیوں کے سربراہ ارطغرل غازی نے ابتداً سغوت (Sogut) کے علاقے میں اپنی ریاست قائم کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں دوسرے ترک قبائل جو ایشیائے کوچک میں آباد تھے اس ریاست سے آملے۔ ارطغرل کے بعد ان کا بیٹا عثمان غازی خان (۱۲۹۹ء تا ۱۳۲۶ء) تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے اناطولیہ میں قائم سلجوقی سلطنت جو آذر بائی جان، شمالی عراق، ایران اور مشرقی اناطولیہ پر قابض تھی، کے خاتمے کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا اورحان غازی (۱۳۲۶ء تا ۱۳۵۹ء) تخت نشین ہوا۔ ان کے عہد کا اہم کارنامہ فوج کی اصلاح تھا جو دولت عثمانیہ کی عظیم قوت تسلیم کی جاتی ہے۔ اورحان غازی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مراد اول (۱۳۵۹ء تا ۱۳۸۹ء) تخت نشین ہوئے۔ مراد اول نے اپنے دور اقتدار میں یورپ کے علاقوں بلغاریہ، مقدونیہ اور سرویہ کو فتح کیا۔ بعد ازاں ان کے بیٹے بایزید اول یلدرم (۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۲ء) برسر اقتدار آئے۔ یہ پہلے عثمانی سلطان تھے جنھوں نے قسطنطنیہ کی فتح کا خواب دیکھا اور اُسے فتح کرنے کی کوششیں کیں۔ اسی دوران میں اناطولیہ میں عیسائیوں کے صلیبی اتحاد نے بغاوتیں کرنی شروع کر دیں۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد تاتاریوں نے تیمور کی قیادت میں آرمینیا کی جانب سے عثمانی سلطنت پر چڑھائی کی اور ۱۴۰۲ء میں انقرہ میں جنگ ہوئی جس میں سلطان بایزید کو شکست ہوئی اور اُنھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس جنگ کی وجہ سے دولتِ عثمانیہ کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ ۱۴۰۳ء میں بایزید کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بیٹے محمد اول (۱۴۰۳ء تا ۱۴۲۱ء) تخت نشین ہوئے اور اُنھوں نے حکومت کا نظام کسی قدر بحال کیا۔ محمد اوّل کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مراد خانی (۱۴۲۱ء تا ۱۴۵۱ء) برسر اقتدار آئے۔ ان کا تیس سالہ دورِ حکومت جنگ میں گزرا اور زوال کا شکار رہا لیکن علم و ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو ترکی زبان اور ادب کی ترقی میں سب سے زیادہ کام سلطان مراد ثانی نے انجام دیا۔ ان کا دربار علما اور شعرا نیز ماہرینِ موسیقی کا مرجع و مقصد تھا۔ بعد ازاں ان کی وفات ۱۴۵۱ء کے بعد محمد ثانی فاتح (۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء) تخت نشین ہوئے تو عثمانیوں کا وقار کسی قدر بحال ہوا۔ ان کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور ان کے ہاتھوں ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح ہوا جو نہ صرف مسلمانوں کی عظیم فتح بلکہ تاریخِ عالم کی اہم ترین فتح شمار کی جاتی ہے، اور یوں سلطان محمد فاتح کے عہد میں علابانیہ، بغدان، اخلاق، بوسنیا، کریمیا وغیرہ کے علاقے سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بن گئے۔

سلطان محمد فاتح کی وفات (۳/ مئی ۱۴۸۱ء) کے بعد بایزید ثانی ابن محمد ثانی فاتح (۱۴۸۱ء تا ۱۵۱۲ء) اور بعد ازاں اُن کے بیٹے سلیم اول (۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء) برسرِ اقتدار آئے۔ سلیم اوّل کی وفات کے بعد سلیمان اعظم (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) تخت نشین ہوئے۔ سلیمان اعظم کے پینتالیس سالہ دور کو عثمانی تاریخ میں اہم شمار کیا جاتا ہے۔ یہ عثمانی سلطنت کے عروج کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ ان کے عہدِ حکومت میں سلطنتِ عثمانیہ یورپ میں ویانا تک پہنچ گئی جس کی حدیں بودا سے بصرہ، بحیرہ کاسپین سے بحیرہ روم کے مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سلیمان اعظم کی وفات ۱۵۶۶ء میں ہوئی۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے سلیم ثانی ابن سلیمان اوّل (۱۵۶۶ء تا ۱۵۷۴ء)، مراد ثالث ابن سلیم ثانی (۱۵۷۴ء تا ۱۵۹۵ء)، محمد ثالث ابن مراد ثالث (۱۵۹۵ء تا ۱۶۰۳ء)، احمد اول ابن محمد ثالث (۱۶۰۳ء تا ۱۶۱۷ء)، مصطفیٰ اول ابن محمد ثالث (۱۶۱۷ء تا ۱۶۱۸ء)، عثمان ثانی ابن احمد اول (۱۶۱۸ء تا ۱۶۲۲ء)، مصطفی اوّل، بار دوم (۱۶۲۲ء تا ۱۶۲۳ء) تخت نشین ہوئے۔ لیکن ان کے عہدِ حکومت سے سترھویں صدی عیسوی تک سلطنتِ عثمانیہ کے زوال و انحطاط کے اثرات واضح طور پر نظر آنے لگے تھے۔ ۱۶۲۳ء تا ۱۶۴۰ء مراد رابع بن احمد اوّل کے عہدِ حکومت میں حالات کچھ بہتر ہوئے۔ بعد ازاں ابراہیم ابن احمد اول (۱۶۴۰ء تا ۱۶۴۸ء) اور محمد رابع ابن ابراہیم (۱۶۴۸ء تا ۱۶۸۷ء) کے عہد تک عثمانی سلطنت نے پھر فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ محمد رابع کے بعد ۱۶۸۷ء تا ۱۶۹۱ء سلیمان

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ثانی ابن ابراہیم تخت نشین ہوئے۔ ۱۶۹۱ء تا ۱۶۹۵ء ان کے بھائی احمد ثانی ابنِ ابراہیم بادشاہ بنے۔ ان کی تخت نشینی کے چار سال بعد ان کی وفات پر مصطفیٰ ثانی ابن محمد رابع (۱۶۹۵ء تا ۱۷۰۳ء) سلطنتِ عثمانیہ کے بادشاہ بنے۔ ۱۷۰۳ء تا ۱۷۳۰ء ان کے بھائی شہزاد احمد (احمد ثالث) ابن محمد رابع تخت پر بیٹھے۔ بعد ازاں ۱۷۳۰ء تا ۱۷۵۴ء محمود اول ابن مصطفیٰ ثانی کا دور شروع ہوا۔ ان کے عہدِ حکومت میں روس کے مابین جنگوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا جو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے تک جاری رہا۔ محمود اوّل کے بعد ۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۷ء عثمان ثالث ابنِ مصطفیٰ ثانی، ۱۷۵۷ء تا ۱۷۷۴ء مصطفیٰ ثالث ابن احمد ثالث، ۱۷۷۴ء تا ۱۷۸۹ء عبدالحمید اول ابن احمد ثالث، ۱۷۸۹ء تا ۱۸۰۷ء سلیم ثالث ابنِ مصطفیٰ ثالث کے بعد ان کے بھتیجے مصطفیٰ ربع ابن عبدالحمید اول ۱۸۰۷ء سے ۱۸۰۸ء تک چند ماہ بادشاہ رہے۔ پھر ان کے بھائی محمود ثانی ابنِ عبدالحمید اول ۱۸۰۸ء سے ۱۸۳۹ء تک تخت نشین رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبدالمجید اول ۱۸۳۹ء سے ۱۸۶۱ء تک تخت نشین رہے۔ ان کا دورِ حکومت کئی حوالوں سے اہم ہے۔ عبدالمجید کے مغربی خیالات اور تہذیب و تمدن کے اثرات سے نظامِ حکومت میں خاصی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان کے دور حکومت میں مخلوط عدالتیں قائم ہوئیں۔ فنی تعلیمی ادارے کھولے گئے اور مسیحی رعایا کو فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی گئی، غرض انتظامیہ، انصاف، تعلیم، اقلیتوں اور فوجی امور کے شعبوں میں نئی اصطلاحات کے سنگین نتائج آنے والے دور میں عثمانی سلطنت کو بھگتنے پڑے۔ یہ دور ترکی کی تاریخ میں "عہدِ تنظیمات" کے نام سے مشہور ہے۔

سلطان عبدالمجید کے انتقال کے بعد ان کے بھائی سلطان عبدالعزیز ۱۸۶۱ء تا ۱۸۷۶ء تخت نشین ہوئے۔ ان کے دورِ حکومت میں عثمانی سلطنت نے مزید ترقی کی۔ ۱۸۶۹ء میں استنبول یونیورسٹی تعمیر ہوئی۔ ۱۸۷۰ء میں قانون کی درس گاہ قائم ہوئی۔ اس کے علاوہ بینک کا نظام رائج ہوا لیکن بگڑتے حالات کے پیش نظر ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالعزیز کو اقتدار سے ہٹا کر ان کے بھتیجے مراد خامس ابن عبدالمجید کو سلطان بنا دیا گیا۔ چند ماہ بعد انھیں معزول کر کے ان کے بھائی عبدالحمید ثانی کو ۱۸۷۶ء میں تخت پر بٹھایا گیا۔ ۱۹۰۹ء تک ان کی حکومت رہی لیکن ان کے عہد میں سلطنتِ عثمانیہ مزید کمزور ہوئی اور نوجوان ترکوں نے ایک تحریک چلائی جس کا مقصد دستوری نظام کی بحالی تھا۔ نوجوانوں نے ایک مجلس "انجمنِ اتحاد و ترقی" کے نام سے قائم کی۔ چوں کہ اس مجلس کے افکار کا سرچشمہ یورپ تھا۔ لہٰذا اس انجمن کی تحریک سے عثمانی خلافت کے اسلامی تشخص کو نقصان پہنچا۔ ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ان کے دوسرے بھائی محمد رشاد خان لقب محمد خامس تخت نشین ہوئے۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کو اٹلی نے طرابلس الغرب پر حملہ کیا تو برطانیہ، فرانس اور روس نے اٹلی کی بھرپور حمایت کی۔ اس کے علاوہ یورپی طاقتوں نے چھوٹی بلقانی ریاستوں مثلاً بلغاریہ، رومانیہ، سرویہ اور مانٹی نیگرو کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگ پر اُکسایا۔ اسی دوران میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو ترکوں نے اس جنگ میں نہ چاہتے ہوئے بھی شرکت کی اور اُسے جرمنی سے شکست ہوئی۔ ۱۹۱۸ء میں سلطان محمد خامس کی وفات کے بعد ان کے بھائی وحید الدین "محمد سادس" کے لقب سے تخت نشین ہوئے۔ پہلی جنگِ عظیم جو ۱۹۱۸ء کے آخر میں ختم ہوئی۔

جرمنی اور ترکی نے اتحادی افواج (برطانیہ، فرانس اور اٹلی کی افواج جو حجاز، فلسطین، شام اور عراق پر قابض ہو چکی تھیں) کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ترک افواج غیر مسلح اور منتشر کر دی گئیں اور اتحادی فوج نے استنبول کا کنٹرول سنبھال لیا۔ عہد نامہ سیورے کی ذلت آمیز شرائط کے ساتھ سلطان محمد سادس اتحادیوں کے قیدی بن چکے تھے۔ بقول ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار: "یورپ کا مرد بیمار اب نزع کے عالم میں تھا۔"(4) ان پریشان کن حالات میں مصطفیٰ کمال پاشا استنبول سے نکل کر اناطولیہ پہنچے اور انھوں نے عثمانی خلیفہ اور اتحادیوں کے خلاف جنگِ آزادی کا اعلان کر دیا۔ بے سروسامان ترک سپاہیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۱۹ء میں انگورہ (انقرہ) میں نئی حکومت کی بنیاد رکھی اور ترکوں کو یونان اور اتحادیوں سے اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لیے اُکسایا۔ ترک فوج نے یونانی افواج کو انونو اور دریائے سقاریہ کی جنگ میں شکست دی۔ اس طرح یونانیوں اور اتحادی افواج کو اناطولیہ سے نکال دیا گیا۔ عثمانی خلافت کا دور زوال پذیر ہو چکا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں سلطان وحید الدین کے سلطنت چھوڑ جانے کے بعد صدر اعظم توفیق پاشا نے بھی اپنے عہدے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ قومی مجلس نے سلطان عبدالعزیز کے بیٹے عبدالمجید آفندی کو ۱۹۲۲ء میں خلیفہ بنا دیا۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں ترکوں نے ایک انقلابی دور میں قدم رکھا۔ ترکی میں جمہوری حکومت قائم کر دی گئی۔ مصطفیٰ کمال پاشا کو جمہوریہ ترکیہ کا صدر نامزد کر دیا گیا اور ترکی کا دارالحکومت انقرہ کو بنایا گیا لیکن خلافت کا صدر مقام بدستور استنبول رہا۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو عثمانی سلطنت کی مکمل شکست کی وجہ سے خلافت مکمل طور پر ختم کر دی گئی اور خلیفہ عبدالمجید آفندی ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ یوں شمسی اعتبار سے چار سو چھے سال تک اور قمری حساب سے چار سو انیس سال تک قائم رہنے والی عظیم سلطنت عثمانیہ کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔(5)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ترکی میں جب عثمانی خلافت کی تحریک شروع ہوئی تھی تو اس کے اثرات بہت تیزی سے جنوبی ایشیا کے طول و عرض پر مرتب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے ترک قوم کی اس تحریک کے حق میں جلسے کیے اور جلوس نکالے۔ ان جلوسوں میں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے شانہ بشانہ شریک ہوتے تھے اور ان کا ایک ہی مطالبہ ہوتا تھا کہ مرکز خلافت کو بحال اور ترکی سے ملحقہ علاقوں کو خلیفہ کے زیرِ نگیں رکھا جائے۔ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں نے ترکوں کے ساتھ اپنی ہمہ گیر محبت اور بھائی چارے کے فروغ کے لیے نہ صرف بڑے بڑے شہروں بلکہ قصبوں اور گاؤں میں جا کر لوگوں کو اس تحریک کے افکار سے روشناس کروایا۔ اس ضمن میں جن اشخاص نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں اُن میں خصوصیت سے مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، علامہ شبلی نعمانی، سلسلہ قادریہ کے مولانا عبدالباری، حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، ظفر علی خان اور علامہ محمد اقبال کے نام سرفہرست ہیں۔ یہ تمام افراد تحریکِ خلافت کے وہ سپاہی تھے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعے جہاد کیا۔ اخبارات و رسائل میں مضامین و مقالات تحریر کیے۔ ان علما کی تحریریں مختلف رسائل و جرائد مثلاً "زمیندار"، "کامریڈ"، "الہلال"، "ہمدرد اور مسلم گزٹ" وغیرہ میں چھپتی رہیں۔ ان لوگوں نے جلسوں میں تقاریر بھی کیں جن کا مقصد تحریک خلافت کے پنپنے کے لیے لوگوں تک نہ صرف فکری و نظریاتی مواد مہیا کرنا تھا بلکہ اس کے لیے ساز گار فضا بھی ہموار کرنے کی کوشش کرنا بھی تھا۔ یوں برصغیر کے مسلمانوں کی یہ تحریک تو جلسوں اور جلوسوں کی صورت میں تھی لیکن ترک اپنے خطے میں خلافت کی آزادی کے لیے باقاعدہ مسلح جدوجہد کر رہے تھے۔ یہی وہ دورِ انحطاط ہے جس میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں اور اناطولیہ کے ترکوں نے آزادی و حریت کے لیے سرفروش مجاہد کا کردار ادا کیا۔ یوں تحریکِ خلافت نے برصغیر میں اسلامی تحریک کو بھی جنم دیا جس کا اختتام وجود پاکستان پر ہوا۔

ترکوں اور اردو زبان کے تعلقات کے ماضی کو جاننے کے لیے درج بالا پس منظر مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کیوں کہ یہ تعلقات آج کی صدی کا واقعہ نہیں ہیں۔ ترکی میں اردو زبان کے داخلے کے حوالے سے ڈاکٹر خلیل طوق ار لکھتے ہیں:

> "اُردو کے ترکی میں داخلے کی تاریخ پاکستان کے بننے کے بعد سے تقریباً ایک صدی پیچھے شاید اور بھی پیچھے تک پہنچائی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ میری تحقیقات کے مطابق سلطنت عثمانی کے عریض و وسیع مملکت کے بعض علاقوں میں بالخصوص مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور دارالخلافت استنبول میں ہندوستانی مسلمان کثیر تعداد سے موجود تھے۔۔۔ پندرھویں صدی سے لے کر ہندی مسلمانوں کی استنبول آمد شروع ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنی زبان کو، احتمال قوی یہ کہ اردو کو بھی ساتھ لے کر آئے۔ بیسویں صدی ایک نیا آغاز تھا، اس صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کا ترکی کی طرف بہاؤ اور بھی بڑھ گیا۔۔۔ آنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی اور بیسویں صدی سے جاری جنگوں کے نتیجے میں آبادی کے لحاظ سے کمزور پڑے ملک کے لیے ان مہاجروں کی اتنی ضرورت تھی کہ استنبول سے نکلنے والا اردو اخبار "جہانِ اسلام" کے بعض نمبروں میں کبھی کبھار اشتہار شائع ہو رہے تھے جن میں ہندوستان کے مہاجروں کو عثمانی شہریت کو اپنانے کی دعوت دی جاتی تھی اور عثمانی آرکائیوز میں جانچ پڑتال کرتے ہوئے ایسے کاغذات دیکھنے میں آئے جن میں عثمانی شہری بننے والوں کے نام مندرج ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بکثرت اردو بولتے ہوں گے۔ پھر اس زمانے کی ایک بااثر جمعیت تھی جس کا نام "جمعیت خیریہ اسلامیہ" تھا اور اس کی کارکردگی میں ہند سے آنے والوں کی امداد اور تنظیم کا کام بھی شامل تھا اور جس کے مدارس میں انڈیا کے مہاجروں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جاتی تھی۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ ان مدرسوں میں اردو کی تعلیم دی جا رہی ہو۔ علاوہ ازیں استنبول میں تین اردو اخبار پیکِ اسلام، الدستور" اور "جہانِ اسلام کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ اخبار عثمانی حکومت کی پشت پناہی میں شائع ہو رہے تھے اور ہندوستان کے ساتھ ساتھ عثمانی مملکت میں جہاں جہاں ہندوستانی مسلمان تھے وہاں وہاں یہ اخبار مہیا کیے جا رہے تھے۔ یہ سب اس امر کا ثبوت ہیں کہ ترکی میں اردو کی موجودگی ناقابل انکار ہے اور ترکی میں اس کا ماجرا کافی پرانا ماجرا ہے۔"(6)

اس طویل اقتباس کی روشنی میں دیکھا جائے تو پہلی جنگِ عظیم تک مسلمان انگریزوں کے مظالم کی وجہ سے ترکی اور اُس کے گردونواح میں جوق در جوق رہائش پذیر ہوتے رہے لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو استنبول میں عثمانی خلافت کی تحریک شروع ہو گئی جس کا احوال پہلے آ چکا ہے۔ اُس دوران میں بھی بہت سے مسلمان استنبول میں آ بسے تھے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد جمہوریہ ترکیہ سے گردونواح کے تمام علاقے الگ ہو گئے۔ جمہوری حکمرانوں نے صوفیوں کی خانقاہوں کو بند کر دیا۔ اس طرح برِصغیر کے مسلمانوں اور ترکوں میں فاصلے بڑھتے گئے۔ بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آزاد ملک کی حیثیت سے وجود میں آیا تو یہ تعلقات دوبارہ مستحکم ہونے شروع ہوئے اور اردو زبان دوبارہ ترکی پہنچ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

گئی۔ پاک ترک سفارتی تعلقات کے فروغ کے لیے اولاً انقرہ یونیورسٹی میں اردو چیئر قائم کی گئی۔ اس حوالے سے پاکستان کے سفارت خانے کا کردار بھی اہمیت کا حامل ہے جہاں سے وقتاً فوقتاً چند ایسے تراجم شایع ہو جاتے ہیں جن سے ترکی میں اردو ادب کا تعارف بزبانِ ترکی میں ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے ۱۹۵۲ء میں سفارت خانے نے ایک کتابچہ رومی اور اقبال شایع کیا جس میں مولانا روم کی حیات اور پاکستان کے ملی شاعر محمد اقبال پر اُن کا اثر، اقبال کی حیات اور فکر، رومی و اقبال اور اقبال کا پیغام وغیرہ جیسے عنوانات پر مضامین شامل تھے۔ اس کتابچے میں ترک مصنفین عمر رضا دوغرول، نور الدین ارتام، سہاثاقب ارتام، زیریا کراد نیز اور احساس آدا کے اقبال اور رومی سے متعلق مضامین شامل تھے۔ دوسرا کتابچہ ۱۹۶۲ء میں شایع ہوا جس میں اُردو سے متعلق دس ترک ادیبوں کے فن پارے تھے۔ پاکستانی سفارت خانہ سے ایک رسالہ "پاکستان پوستاسی قیام پاکستان کے بعد سے ترکی زبان میں شایع ہو رہا ہے جس میں اردو شعر و ادب، اقبال و رومی اور پاک ترک تعلقات کے حوالے سے کثیر تعداد میں مضامین شائع ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر نثار احمد اسرار آر۔ سی۔ ڈی کے سکالر شپ پر ۱۹۶۵ء میں ترکی گئے تو انھوں نے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ کئی سال تک وہ پاکستانی سفارت خانے میں بطور مترجم اور افسر اطلاعات رہے۔ اس پلیٹ فارم سے اُنھوں نے اردو زبان و ادب کو ترکی کی نئی نسل میں متعارف کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انفرادی طور پر پاک ترک برادرانہ تعلقات کے فروغ میں تقسیم ہند سے پیش تر برصغیر کے چند اکابر کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں۔ مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کے بیشتر علما و ادیب کے ہاں ہمیں ترک اور ترکی سے محبت کا اظہار ملتا ہے جن میں خصوصیت سے علامہ شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، ظفر علی خان اور علامہ اقبال نے اپنی نظم و نثر میں ترکی قوم کی عظمت کو بارہا خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اقبال کی تصنیفات میں مولانا روم کے علاوہ جن شخصیات کا ذکر ملتا ہے اُن میں مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) اور ترک شعرا میں سے سعید حلیم پاشا، ضیا گوکلپ اور محمد عاکف ارصوئے کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد عاکف اور اقبال کے کلام میں غیر معمولی طور پر مشابہت پائی جاتی ہے۔ حال آں کہ دونوں شخصیات کا آپس میں صرف قلمی تعارف تھا۔ سر سید احمد خان نے بھی ترکی اور ترکوں پر کئی مضامین قلم بند کیے جو تہذیب الاخلاق میں چھپتے رہے۔ اسی طرح جدید ترکی فکشن کو اردو زبان میں متعارف کروانے کا سہرا سجاد حیدر یلدرم کے سر جاتا ہے۔ انھوں نے رئیس جامعہ علی گڑھ نواب اسماعیل خان سے ترکی زبان سیکھی۔ بعد ازاں انگریز حکومت نے ۱۹۰۴ء میں انھیں ترکی سفارت خانہ (بغداد) میں پولیٹیکل ریذیڈنٹ کے طور پر ملازمت دی۔ یہیں پر یلدرم کی ترکوں اور ترکی زبان سے محبت اُبھر کر سامنے آئی اور انھوں نے ترکی زبان کے کئی افسانوی ادب پاروں کے تراجم کیے جو وقتاً فوقتاً شیخ عبدالقادر کے رسالے "مخزن" کی زینت بنتے رہے۔ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ یلدرم کا اضافہ بھی مشہور ترکی سلطان بایزید کے لقب "یلدرم" پر کیا۔

سجاد حیدر یلدرم نے اردو فکشن میں ترکی ادب کو متعارف کروانے کے لیے ترکی زبان و ادب کے نام ور مصنفین کا مطالعہ کیا جس سے اردو زبان و ادب میں وسعت آئی اور اردو زبان میں ترجمہ نگاری کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔ بہ قول نثار احمد فاروقی اردو کو بسم اللہ کے گنبد سے نکال کر مغربی ملکوں کی ہوا کھلانے والا نیز ترکی کے بہترین ادبی شہپاروں کو سب سے پہلے اُردو زبان میں منتقل کرنے والا شخص یہی سجاد حیدر یلدرم ہے۔(7) یہ سجاد حیدر یلدرم کا اردو زبان و ادب کے لیے بڑا کارنامہ ہے۔

ان کے علاوہ ظفر حسن ایبک کا شمار اُن حریت پسندوں میں ہوتا ہے جنھوں نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں (۱۹۱۵ء) آزادی وطن کی جدوجہد کی خاطر جہاد کیا اور عرصہ تک افغانستان میں برطانوی استعمار کے خلاف مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ سرگرم عمل رہنے کے بعد ۱۹۲۲ء میں جمہوریہ ترکیہ میں آکر آباد ہو گئے۔ یہاں اُنھوں نے ترک شہریت حاصل کر لی اور ترک فوج کے مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بالآخر فوج ہی کے تعلیمی شعبے سے منسلک ہو گئے اور ۱۹۵۱ء میں ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد تصنیف و تالیف کا کام کیا اور اردو زبان کے ذریعے پاک ترک تعلقات کے حوالے سے ثقافتی و سیاسی روابط کو مضبوط کرنے کے سلسلے میں کوششیں کیں۔ انھوں نے پاکستان کے حوالے سے بہت سے مضامین ترکی کے اخبارات و رسائل میں شایع کیے اور آر سی ڈی کے پلیٹ فارم پر ترکی اردو اور اردو ترکی لغات تیار کیں۔ جن میں سے ترکی اردو لغت ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) نے ۱۹۸۹ء میں شایع کی۔ اردو ترکی لغت کا مسودہ مقتدرہ قومی زبان کو بھجوایا گیا تھا جو تاحال شایع نہیں ہو سکا۔ قواعد زبان اردو پر بھی انھوں نے کام کیا۔ اس کے علاوہ اُن کی آپ بیتی بھی اہمیت رکھتی ہے جسے ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اُن کی زندگی میں ہی مرتب کر کے "خاطرات" کے نام سے سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۱۹۹۰ء شایع کروایا۔ یہ آپ بیتی پاکستان اور ترکوں کی سیاسی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ ظفر حسن ایک نے ۷/ اگست ۱۹۵۱ء کو ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں پاک ترک تعلقات کے فروغ کے لیے "ترک پاکستان کلچر سوسائٹی" اُس وقت کے پاکستانی سفیر میاں بشیر احمد کی معاونت سے قائم کی۔ اس کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ایک شاخ استنبول میں بھی کھولی گئی جو بعد ازاں انقرہ شہر سے زیادہ پھلی پھولی۔ اس سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے ہر ماہ ایک مرتبہ پاکستان کے بارے میں لیکچر دیا جاتا اور پاکستانی فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ ظفر حسن ایک نے پاکستان اور ترکی کے مثالی رشتوں کو مضبوط تر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

ظفر حسن ایک کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر ہیں جنھوں نے استنبول یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۶۱ء میں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامی تاریخ سے بحیثیت لیکچرار وابستہ ہوئے۔ بعد ازاں ۱۳ سال تک وہ شعبہ اسلامی تاریخ کے صدر بھی رہے۔ انھوں نے ترکی اردو لغت تیار کی جو کراچی سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف جو ۱۹۸۸ء سے ترکی میں مقیم ہیں، اردو زبان کے حوالے سے کئی اہم کام کر چکے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر میم کمال اوکے، ڈاکٹر حنیف فوق، ڈاکٹر شکیل اختر، کرنل مسعود اختر، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر سعادت سعید وغیرہ کے نام بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبدالحفیظ ایکت بھی جب پچیس سال ترکی گزار کر پاکستان آئے تو انھوں نے طلبہ کی ضرورت کے تحت ماڈرن ترکی گریمر دو حصوں میں مرتب کی جو انگریزی زبان میں تھی۔ اس کتاب کو پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔

ترکی میں اردو زبان و ادب کی تدریس کا باقاعدہ آغاز تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو قیام پاکستان کے بعد ہوا۔ اولاً پاک ترک برادرانہ تعلقات کو مستحکم کرنے کے لیے انقرہ یونیورسٹی میں اردو چیئر قائم کی گئی جو بعد ازاں ایک مکمل اردو شعبے کی بنیاد بنی۔

انقرہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے قیام کے بعد ترکی کے دو بڑے شہروں استنبول اور قونیہ میں بالترتیب استنبول یونیورسٹی اور سلجوق یونیورسٹی میں اردو زبان و ادب کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ اس وقت ترکی میں یونیورسٹی کی سطح پر اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں درج بالا تینوں یونیورسٹیاں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس مضمون میں ترتیب وار ترکی کے ان تین بڑے شہروں کی یونیورسٹیوں، اور ان یونیورسٹیوں میں قائم اُردو زبان و ادب کے شعبوں کی تاریخ و تعارف اور تعلیمی ارتقائی مراحل کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

انقرہ یونیورسٹی

ترکی کے شہر انقرہ میں جدید تعلیم کے حصول کے لیے مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) نے ۱۹۲۳ء میں ایک یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھا جس کا نام انقرہ یونیورسٹی رکھا گیا۔ اس یونیورسٹی کو ترکی کی جدید تعلیم کے اولین مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ آج انقرہ یونیورسٹی ایک ایسے ادارے کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جو ترکوں کی تاریخ اور جدید سائنسی ترقی کی وجہ سے دنیا بھر میں پہچانی جاتی ہے۔ انقرہ یونیورسٹی کا طرزِ تعمیر اس بات کی نمائندگی کرتا ہے کہ ترکوں کی قدیم ثقافت، اُن کے مقاصد اور جدید علوم و فنون کو ایک ساتھ لے کر بھی ترقی کی منازل طے کی جا سکتی ہیں۔ حقیقتاً بھی مصطفیٰ کمال پاشا نے انقرہ یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے انھی خطوط کو پیش نظر رکھا کہ ایسا ادارہ تعمیر کیا جائے جہاں انقلابی کام کیے جا سکیں۔ جو جدیدیت کے حامل ہوں مگر اپنی اصل سے بھی پیچھے نہ ہٹیں۔

ابتداً ترک حکومت نے ۱۹۲۵ء میں اس یونیورسٹی کا آغاز فیکلٹی آف لا (School of Law) سے کیا۔ اس اسکول کا مقصد ترکوں کو قانون کی تعلیم دینا اور جدید قوانین سے روشناس کرانا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں زراعت کا ادارہ (Faculty of Agriculture) قائم کیا گیا تاکہ ترکی کے کسانوں کی زراعت کے شعبے میں تعلیم کے ذریعے راہنمائی کی جا سکے۔ ۱۹۳۵ء میں انسانیت کی فیکلٹی (Faculty of Humanities) قائم کی گئی تاکہ ترک ثقافت کو ترقی دی جا سکے۔ اس فیکلٹی میں بین الاقوامی زبانیں، تاریخ اور جغرافیہ بھی شامل تھا۔ بعد ازاں اسی فیکلٹی میں ۱۹۵۶ء میں اردو زبان پڑھائی جانے لگی)۔ ۱۹۳۵ء میں ہی سیاسیات کی فیکلٹی (School of Political Sciences) قائم کی گئی تاکہ ملک کے راہنماؤں کو سیاسی تعلیمات اور راہنمائی مل سکے۔ اس کے علاوہ میڈیکل سائنس کی فیکلٹی (Faculty of Medicine) ۱۹۴۳ء میں قائم کی گئی۔ درج بالا تمام فیکلٹیاں مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) کی نگرانی میں قائم ہوئیں لیکن ۱۹۴۰ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جب ملکی حالات و معاملات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں تو ان معاملات کا اثر انقرہ یونیورسٹی پر بھی پڑا اور اس کی بہت سی فیکلٹیاں بند کر دی گئیں۔

۱۹۴۶ء میں انقرہ یونیورسٹی میں تعلیم کا سلسلہ دوبارہ سے شروع کیا گیا۔ پہلے سے قائم فیکلٹیاں مثلاً قانون کی فیکلٹی ۱۹۲۵ء، بین الاقوامی زبانیں اور تاریخ و جغرافیہ ۱۹۳۵ء کے علاوہ میڈیکل سائنس ۱۹۴۳ء اور زراعت (۱۹۳۳ء) کی فیکلٹی کو ۱۹۴۵ء میں دوبارہ متعارف کروایا گیا اور ۱۹۴۹ء میں الٰہیات کی فیکلٹی (Faculty of Divinity) اور ۱۹۵۰ء میں سیاسیات کی فیکلٹی کو دوبارہ کھولا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں فارمیسی کی فیکلٹی کو متعارف کروایا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں دندان سازی کا ادارہ (Faculty of Dentistry)، ۱۹۶۵ء

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

میں ایجوکیشنل سائنس اور ابلاغیات کی فیکلٹی،۱۹۹۶ء میں فیکلٹی آف ہیلتھ ایجوکیشن (Faculty of Health Education) قائم کی گئی جسے بعد میں ۲۰۰۷ء میں فیکلٹی آف ہیلتھ سائنس کا نام دیا گیا۔ اس کے علاوہ ۲۰۰۱ء میں فیکلٹی آف انجینئرنگ قائم ہوئی۔ مجموعی طور پر اس وقت انقرہ یونیورسٹی میں پندرہ فیکلٹیاں موجود ہیں جن میں تقریباً چالیس وکیشنل پروگرام، ایک سو چودہ انڈر گریجویٹ پروگرام اور ایک سو دس گریجویٹ پروگرام جاری ہیں۔ اس یونیورسٹی کا شمار ترکی کی بہترین جامعات میں ہوتا ہے۔

شعبۂ اردو انقرہ یونیورسٹی

انقرہ یونیورسٹی کا شعبہ السنہ، تاریخ و جغرافیہ اپنی ۷۵ سالہ پرانی روایات کا امین اور ان روایات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ انقرہ یونیورسٹی کی دوسری بڑی اور قدیم فیکلٹی ہے جس کا مقصد طالب علموں کو تحقیق، تعلیم اور سیکھنے کے تجربات سے آگاہی فراہم کرنا ہے۔ ۱۹۲۳ء کی بڑی تبدیلی صرف حکومتی سطح کی نہیں بلکہ سائنس اور جدید اداروں کے لیے بھی نایاب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس فیکلٹی کی تعمیر و ترقی میں مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) کی خاص دل چسپی شامل تھی تاکہ ترک؛ تاریخ و جغرافیہ اور دنیاے یورپ و ایشیا کی مختلف زبانیں سیکھ سکیں۔ ان مقاصد کے پیش نظر اس فیکلٹی کا افتتاح ۹/ جنوری ۱۹۳۶ء کو صدر مصطفیٰ کمال پاشا (اتاترک) اور اُس وقت کے وزیر اعظم عصمت انونو Ismet Inonu نے کیا (آج یہ فیکلٹی شہر کے پر رونق بازار کزلائی اور اہم کاروباری مراکز کے درمیان واقع علاقے "صحیح" میں قائم ہے)۔ ابتداً اس فیکلٹی میں تاریخ اور جغرافیہ کے علاوہ مشرقی و مغربی زبانوں کے شعبے قائم کیے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ آج اس فیکلٹی میں تاریخ و جغرافیہ کے علاوہ مشرقی زبانوں عربی، فارسی، چینی، جاپانی، ہندی اور اُردو، مغربی زبانوں؛ ترکی، انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، ہسپانوی، اطالوی، یونانی اور ہنگری کے شعبہ جات شامل ہیں جن میں ان تمام زبانوں کی تعلیم دی جارہی ہے۔ حالیہ تحقیق کے مطابق اس فیکلٹی میں سات ہزار طلبہ رجسٹر ہیں جن کی تعلیم و تدریس پر تین سو اساتذہ (فیکلٹی ممبر) مامور ہیں۔ اردو زبان کی تدریس کے لحاظ سے یہ فیکلٹی ترکی کی باقی یونیورسٹیوں کی فیکلٹیوں میں اولیت کا درجہ رکھتی ہے کیوں کہ ترکی میں اردو زبان و ادب کی تدریس کا آغاز اسی فیکلٹی سے ہوا۔

اس فیکلٹی میں اردو زبان کی تدریس کا آغاز ۱۹۵۶ء میں اُس وقت ہوا جب حکومتِ پاکستان کی طرف سے یہاں اردو مطالعہ پاکستان چیئر قائم کی گئی اور پاکستان سے پروفیسر داؤد رہبر کو اس چیئر پر اُردو زبان کی تدریس کے لیے تعینات کیا گیا۔ ڈاکٹر داؤد رہبر تین سال تک اس چیئر پر تعینات رہے لیکن انھوں نے تین سال بعد مع اپنے خاندان کے یروشلم جاکر عیسائی مذہب قبول کرلیا اور کینیڈا چلے گئے تو اس چیئر کو ختم کر دیا گیا۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف، ان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "یہ وہی داؤد رہبر ہیں جو علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال اور نوبل پرائز یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ کیمبرج میں زیر تعلیم رہے اور تینوں نے مل کر کیمبرج میں پاکستان سوسائٹی بھی بنائی جس کے سرپرست معروف مصنف پروفیسر آربری تھے۔"(8)

ڈاکٹر داؤد رہبر نے انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے لیے کیا اقدامات کیے، اس حوالے سے کوئی آثار نہیں ملتے۔ غالباً وہ کاغذی کارروائی تک ہی اُردو چیئر پر تعینات رہے اور علمی طور پر کوئی قابلِ ذکر فریضہ سرانجام نہ دے سکے۔ ۱۹۷۳ء میں اس چیئر پر پاکستان سے ڈاکٹر طاہر فاروقی (مرحوم) کو تعینات کیا گیا اور یوں اس شعبے میں اردو زبان کی تدریس کا از سرِ نو آغاز ہوا۔ اسی سال ڈاکٹر شوکت بولو (جو نسلاً ترک تھے لیکن عربی، فارسی، انگریزی اور اُردو زبان پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ اُنھوں نے حصولِ تعلیم کے لیے عراق و پاکستان میں کافی وقت گزارا اور ایم۔ اے عربی و اسلامیات پنجاب یونیورسٹی سے کیا، ۱۹۷۱ء میں انقرہ یونیورسٹی سے اردو ادبیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اُن کے مقالے کا عنوان اردو نثر کا زریں دور تھا۔ ان کا تقرر اس شعبے میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر ہوا۔ انقرہ یونیورسٹی میں ایک ترک استاد کے تقرر کی بدولت شعبے میں اردو زبان کی تدریس کا باقاعدہ آغاز ہوا اور ڈاکٹر شوکت بولو شعبۂ اردو زبان و مطالعہ پاکستان کے پہلے صدر مقرر کیے گئے۔ ڈاکٹر طاہر فاروقی کے تین سالہ قیام کے دوران، دونوں اساتذہ نے ایف۔ اے اور بی۔ اے کی سطح پر اردو زبان کی تدریس کا آغاز کیا (واضح رہے کہ ترکی میں یونیورسٹی کی تعلیم کا آغاز میٹرک کے بعد ہوتا ہے۔ ڈگری کی سطح یعنی چار سالہ تعلیمی مدت کے بعد یونیورسٹی میں مختلف شعبہ جات کے انسٹی ٹیوٹس میں ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جاتی ہے)۔ ڈاکٹر طاہر فاروقی کے بعد اس چیئر پر ڈاکٹر حنیف فوق سات سال تک تعینات رہے۔ اُن کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبادت بریلوی کا تقرر اسی چیئر پر ہوا۔ وہ دو سال تک اس چیئر پر تعینات رہے۔ قیام ترکی کے حوالے سے اُنھوں نے "ترکی میں دو سال کے عنوان سے ایک کتاب بھی تحریر کی۔ اُن کے بعد ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف (احمد بختیار اشرف) کا تقرر اس چیئر پر ہوا۔ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے عملی طور پر ڈاکٹر شوکت بولو کے ساتھ مل کر اردو زبان کی تدریس کے لیے بے انتہا کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر شوکت بولو کی ریٹائرمنٹ کے بعد ترکی کی تینوں جامعات میں پی ایچ ڈی اور ایم۔ اے کی جتنی ڈگریاں تفویض کی گئیں، ان تمام میں ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کی راہنمائی و نگرانی سے انکار ممکن نہیں۔ ڈاکٹر اے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

بی۔اشرف ۱۹۹۵ء تک شعبۂ اُردو سے منسلک رہنے کے بعد پاکستانی سفارت خانے کے اسکول سے منسلک ہو گئے اور تاحال اُن کا قیام انقرہ میں ہے۔ڈاکٹر اے۔بی۔اشرف کے ساتھ ڈاکٹر نثار احمد اسرار بھی جزوقتی استاد کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ڈاکٹر نثار احمد اسرار ۱۹۶۵ء میں آرہی۔ڈی کے اسکالرشپ پر ترکی گئے اور انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے ۱۹۶۷ء میں ایم۔اے کیا۔اسی سال ترکی زبان کا ایک سالہ ڈپلوما بھی حاصل کیا۔بعد ازاں ۱۹۷۱ء میں استنبول یونیورسٹی کی آرٹ فیکلٹی (کلیہ فنون) سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد پاکستان کے سفارت خانے سے بطور مترجم منسلک ہو گئے۔انھوں نے اس شعبے میں جزوقتی استاد کے طور پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ڈاکٹر اے۔بی۔اشرف کے بعد ۱۹۹۵ء میں پاکستان سے ڈاکٹر انوار احمد اور ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر سعادت سعید کا تقرر اس چیئر پر ہوا۔ان دونوں اساتذہ نے بھی مقامی اساتذہ کے ساتھ مل کر اردو زبان و ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ان پاکستانی اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر فرقان حمید جو انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد میں ترک زبان کے استاد ہیں، جب ترکی زبان میں پی ایچ۔ڈی کے لیے انقرہ یونیورسٹی گئے تو اُنھوں نے انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔بعد ازاں پاکستان سے اُردو چیئر پر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کے شعبہ اردو کے استاد ڈاکٹر میاں مشتاق احمد نے اپنی خدمات انجام دیں۔

اس شعبے کے پہلے ترک استاد ڈاکٹر شوکت بولو ہیں جو طویل عرصہ تک انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں نگران کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔چوں کہ ترکی قانون کے مطابق نسلاً ترک ہی شعبہ کا صدر ہو سکتا ہے، اس لیے انھیں انقرہ یونیورسٹی کے پہلے ترک صدر شعبۂ اردو ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ڈاکٹر شوکت بولو چوبیس سال تک ترکی میں اردو کے واحد ترک پی ایچ۔ڈی اسکالر رہے۔اُنھوں نے اردو زبان و ادب کے ذیل میں کیے گئے تحقیقی کاموں میں اقبال کی شاعری کے تراجم کے علاوہ تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ، آب کوثر، موج کوثر اور رود کوثر از شیخ اکرام کے تراجم اور "ترکی اردو لغت" کی تیاری قابل ذکر ہیں۔اس شعبے کی دوسری استاد سلمی بینلی ہیں انھیں ۱۹۸۵ء میں اس شعبے میں بطور ریسرچ اسکالر (اسسٹنٹ) تعینات کیا گیا۔اس دوران میں انھوں نے ایم اے (اردو) کا امتحان اسی شعبے سے پاس کیا اور ۱۹۸۹ء میں سلمی بینلی کو پی ایچ۔ڈی کے لیے رجسٹر کیا گیا۔۱۹۸۶ء میں گلیسرین ہالی جی کا بطور اسسٹنٹ تقرر ہوا۔انھوں نے اسی شعبے سے بی۔اے (اردو) کا امتحان پاس کیا تھا۔بعد ازاں انھوں نے ۱۹۸۹ء میں ایم۔اے (اردو) کا امتحان بھی اسی شعبے سے پاس کیا اور پی ایچ ڈی کے لیے رجسٹر ہوئیں۔یہ دونوں اسکالر پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالے کی تیاری کے دوران تدریسی خدمات بھی انجام دیتی رہیں۔ڈاکٹر سلمی بینلی نے دسمبر ۱۹۹۴ء میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "جدید اردو شاعری (۱۸۵۰ء سے ۱۹۰۰ء تک)" مکمل کیا اور ۱۹۹۶ء میں اُن کو ریسرچ اسکالر (اسسٹنٹ) سے اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ڈاکٹر شوکت بولو کی ریٹائرمنٹ کے بعد وہ صدر شعبہ مقرر ہوئیں۔شعبہ کی دوسری ریسرچ اسکالر (اسسٹنٹ) گلسرین ہالی جی آبائی نے ۱۹۹۵ء میں "ہندوستان میں مغلوں کا علمی، ادبی اور ثقافتی ورثہ کے عنوان سے اپنا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔اُنھیں بھی مقالے کی تکمیل کے بعد ۱۹۹۷ء میں اسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ڈاکٹر گلسرین ہالی جی کے بعد ۱۹۹۴ء میں جلال سوئیدان کا تقرر بطور ریسرچ اسکالر (اسسٹنٹ) شعبے میں ہوا۔جلال سوئیدان اس شعبے کے واحد ترک اسکالر ہیں جنھوں نے ایم اے (اُردو) پنجاب یونیورسٹی سے کرنے کے علاوہ اردو کا جونیئر و سینئر ڈپلوما بھی حاصل کیا۔اُن کے ایم۔اے کے مقالے کا موضوع ترکی میں مطالعہ اقبال" تھا۔۱۹۹۴ء میں جلال سوئیدان انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں پی ایچ ڈی کے لیے رجسٹر ہوئے اور ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر شوکت بولو کی نگرانی میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "اردو زبان کے منظوم و منثور آثار کی روشنی میں علامہ محمد اقبال" مکمل کیا۔بعد ازاں شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے بھی پروفیسر ڈاکٹر جلال سوئیدان طویل عرصے تک انقرا یونیورسٹی سے منسلک رہے۔ڈاکٹر جلال سوئیدان کے بعد بطور ریسرچ اسکالر آسمان بیلن اُز جان کا اس شعبے میں تقرر ہوا۔آسمان بیلن از جان نے ۱۹۹۵ء میں ایم۔اے (اردو) انقرہ یونیورسٹی سے کیا۔اس سے پہلے وہ اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، پاکستان میں اردو زبان کے ایک سالہ ڈپلوما کی کلاس میں بھی زیرِ تعلیم رہیں۔اُنھوں نے ۲۰۰۰ء میں ڈاکٹر سلمی بینلی کی نگرانی میں "پروین شاکر کی شاعری کے موضوعات" کے عنوان سے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔مقالے کی تکمیل پر انھیں اسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر تعینات کر دیا گیا۔ان دنوں وہ شعبہ اردو کی چیئر پرسن کے طور پر خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔

انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کا نصاب کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو قریباً نصف صدی گزرنے کے باوجود اس شعبے میں اردو زبان کے لیے باقاعدہ نصاب ترتیب نہیں دیا گیا ہے۔ابتدا اُس شعبے میں طلبہ کے لیے بنیادی درسی کتب (متن) اور امدادی کتب (گریمر و لغات) وغیرہ موجود نہیں تھیں۔بعد میں پاکستانی چیئر پر تعینات اساتذہ نے یونیورسٹی کے چار سالہ کورس ورک (بی۔اے) کے لیے پاکستانی ریڈروں کو نصاب میں شامل کیا۔ابتدائی قاعدے کے علاوہ پہلی جماعت کی اردو کی کتاب سے لے کر چوتھی جماعت کی اردو کی کتاب کو بالترتیب چار سال میں پڑھایا جاتا رہا۔اس کے علاوہ ابتدائی گریمر اور گفتی وغیرہ سکھائی جاتی رہی۔ذہین طلبہ کو پاکستانی استاد ابتدائی بول چال کی زبان

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

بھی سکھا دیتا اور اسی میں مزید گریمر کے قواعد وغیرہ بھی آ جاتے۔ اگر طلبہ کی استعداد اس سے زیادہ ہوتی تو پانچویں سے نویں جماعت کی کتابیں بھی پڑھا دی جاتیں۔ اب بھی صورت حال مختلف نہیں ہے۔ نصاب کے طور پر آج بھی ڈگری کی سطح پر انھی ریڈروں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ایم اے اور پی ایچ۔ ڈی کی کلاسیں نہیں ہوتیں اس لیے ان کلاسوں کے لیے نصاب کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی کی سطح پر طلبہ کے نگران استاد اُن کی ذہنی صلاحیت کے مطابق مختلف موضوعات پر مبنی اردو زبان و ادب کی کتب اور رسائل انھیں مہیا کر دیتا ہے۔ ایم۔ اے کی سطح تک طلبہ اپنے تحقیقی مقالے کے موضوع تک ہی محدود رہ کر کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ طلبہ اپنے ذوق مطالعہ کے پیش نظر اپنے موضوع سے ہٹ کر اردو زبان و ادب کی دیگر کتب کا مطالعہ کریں۔ البتہ پی ایچ ڈی کا موضوع چوں کہ وسعت کا حامل ہوتا ہے اور اس کے لیے تحقیق کا دائرہ کار بھی وسیع ہوتا ہے۔ اس لیے طلبہ پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر زیادہ سے زیادہ اردو زبان و ادب کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی لائبریری میں وقت گزرنے کے ساتھ کتب کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اس لائبریری میں موجود کتب کی تعداد کے حوالے سے ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف اپنی ۱۹۹۶ء کی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ اردو کتابوں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہے تاہم ان میں بنیادی نوعیت کی کتابوں کا فقدان ہے۔ ان میں زیادہ تر کتابیں ترکی میں پاکستان کے پہلے سفیر محترم میاں بشیر احمد نے شعبہ اردو کو عطا کی تھیں۔ ان کے بعد کتابوں میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ شعبے میں کتابوں کی فراہمی کے لیے فنڈ وغیرہ نہیں ہوتے۔ میں جب یہاں آیا تو حکومت پاکستان نے کچھ کتابیں شعبے کو دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے ایک فہرست تیار کر کے سفارت خانے کو دی۔ چناں چہ ان میں سے کچھ کتابیں حکومت پاکستان نے مہیا کر دیں۔"(9)

حکومت پاکستان کی طرف سے بھیجی گئی کتابوں کے علاوہ ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کی ذاتی کوشش سے کچھ اداروں مثلاً اردو ڈکشنری بورڈ کی لغات، نیشنل بک فاؤنڈیشن اور مقتدرہ قومی زبان نے اردو زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر لکھی گئیں نئی کتب شعبہ اردو کو بھجوائیں۔ انفرادی سطح پر اس کے علاوہ شعبہ کے اساتذہ جب بھی جب پاکستان آتے ہیں تو یہاں سے اردو زبان و ادب کے حوالے سے کتب لے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعبے کی لائبریری کتب میں خاصا اضافہ ہو چکا ہے۔

شعبۂ اردو میں اردو اخبارات اور تحقیقی و ادبی رسائل مہیا کرنے کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ سفارت خانے کے ذریعے کبھی کبھار اخبار یا رسائل دستیاب ہو جاتے ہیں یا پھر شعبے کے موجود اساتذہ کی انفرادی کوششوں سے پاکستان اور انڈیا سے چند ادبی و تحقیقی رسائل اس شعبے کو موصول ہو جاتے ہیں۔ شعبے کی طرف سے باقاعدہ رسالہ بھی شایع نہیں ہوتا۔ یونیورسٹی کی فیکلٹی انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنس کے شعبہ مشرقی زبانیں اور ادبیات کی طرف سے ایک مجلہ نسخہ شایع ہوتا ہے جس میں شعبہ اردو کے استاد بھی اپنے موضوع سے متعلق مضامین تحریر کرتے ہیں جو ترکی زبان میں شایع ہوتے ہیں۔

یونیورسٹی کے تعلیمی مراحل کے حوالے سے دیکھا جائے تو ترکی میں یونیورسٹی کی تعلیم کا آغاز میٹرک کے بعد ہوتا ہے۔ ڈگری کی سطح یعنی چار سالہ تعلیمی کورس (بی۔ اے) مکمل کرنے کے بعد طلبہ کو فارغ التحصیل ہونے کے لیے سو صفحات سے کم پر مشتمل ایک مقالہ جمع کروانا پڑتا ہے۔ اس کے بعد دو سالہ ایم۔ اے کا کورس ورک یعنی تحقیقی مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔ بعد ازاں پی ایچ۔ ڈی کے لیے عمومی امتحان سے گزرنے کے بعد تحقیقی مقالہ تفویض کیا جاتا ہے۔ انقرہ یونیورسٹی میں دوسرے تمام مضامین کی طرح اردو زبان کی تعلیم کے لیے بھی ذریعہ تعلیم ترکی زبان ہے۔ ہر سال سال اول و دوم یعنی ایف۔ اے میں قریباً اسی سے سو طلبہ بطور اختیاری مضمون کے، اردو زبان کا انتخاب کرتے ہیں۔ ڈگری کی سطح یعنی بی۔ اے میں یہ تعداد قریباً چالیس پچاس تک رہ جاتی ہے لیکن ایم۔ اے کی سطح تک آتے آتے طلبہ کی تعداد چار یا پانچ رہ جاتی ہے اور انھی میں سے بعض آگے چل کر پی ایچ ڈی کرتے ہیں۔ ڈگری کی سطح تک اردو زبان کو بطور اختیاری مضمون کے پڑھنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ترکی میں تعلیمی قانون کے مطابق طلبہ کو دو غیر ملکی زبانیں بطور اختیاری مضمون پڑھنا ہوتی ہیں۔ اکثر طلبہ کی کوشش ہوتی ہے کہ اُنھیں لاطینی رسم الخط کی زبانوں میں ہی داخلہ مل جائے تاکہ انھیں ایک سے زیادہ رسم الخط سیکھنے کی ضرورت نہ پڑے کیوں کہ ترکی زبان کا موجودہ رسم الخط بھی لاطینی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر وہ دوسری مشرقی زبانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بعض طلبہ کو مختلف زبانوں کو سیکھنے کا شوق بھی ہوتا ہے اور اسی شوق کے پیش نظر وہ اختیاری زبانوں میں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ بعض طلبہ پاکستان سے قدیم قربت کے باعث اردو زبان کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ترکی کا قدیم رسم الخط چوں کہ نسخ و نستعلیق تھا اور اردو زبان کا رسم الخط بھی نستعلیق ہے تو جو طلبہ اپنے قدیم رسم الخط سے انسیت رکھتے ہیں وہ بھی اردو زبان کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان تمام اقسام کے طلبہ بی اے تک اردو کو اختیاری زبان کے طور پر پڑھتے ہیں اور ان میں سے تین چار طلبہ ہی ایسے نکلتے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ہیں جو آگے چل کر اپنے شوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُردو زبان میں ایم۔اے کرتے ہیں۔ماسٹر کی ڈگری کے لیے ان طلبہ کے نگران استاد کا انتخاب کر دیا جاتا ہے جو اپنی نگرانی میں انھیں تحقیقی مقالہ تیار کرواتا ہے۔اس کے ساتھ تدریس میں مہارت اور تربیت کی مشقیں کرواتا ہے۔اس سطح پر طلبہ کو ایک سو سے زیادہ صفحات کا تحقیقی مقالہ لکھنا ہوتا ہے۔مقالے کے اختتام پر اُسے ایم۔اے کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے۔ایم۔اے کے بعد پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالے کا مرحلہ آتا ہے۔پی ایچ۔ڈی کے لیے طلبہ کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔سب سے پہلے یونیورسٹی کی طرف سے لیے گئے عمومی امتحان کو پاس کرنا پڑتا ہے جس میں جنرل نالج، ثقافت، تاریخ و جغرافیہ اور دیگر زبانوں سے متعلق سوالات ہوتے ہیں۔یہ امتحان اُن کی اپنی زبان یعنی ترکی میں لیا جاتا ہے۔(امتحان کی یہ وہی صورت ہے جو اب ہمارے ہاں ہائر ایجوکیشن کمیشن نے NTS ٹیسٹ کے طور پر ایم فل اور پی ایچ۔ڈی کے لیے لازمی قرار دی ہے) اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ مزید ایک سال کا کورس ورک یعنی اسائنمنٹ تیار کرتے ہیں جس کے صفحات کی تعداد پچاس سے سو تک ہوتی ہے۔اس اسائنمنٹ کو مکمل کرنے کے ساتھ طلبہ کو ایک سیمی نار بھی تیار کرنا پڑتا ہے۔اس مرحلے سے گزرنے کے بعد امیدوار کو پی ایچ۔ڈی کے لیے مقالہ لکھنے کی اجازت درکار ہوتی ہے جس کے لیے ایک جیوری تعینات کی جاتی ہے جو امیدوار کا زبانی امتحان اور مجموعی کارکردگی کا جائزہ لیتی ہے۔جیوری کے تمام ارکان کی مثبت رائے کے بعد امیدوار کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے تحقیقی مقالہ لکھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔اس طرح انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے اعلیٰ سطح کے تعلیمی مراحل کی تکمیل ہوتی ہے۔

انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں طلبہ فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔ان میں زیادہ تعداد ان طلبہ کی ہے جو گریجویشن تک اردو زبان کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ایم اے (اردو) اور پی ایچ۔ڈی (اردو) کرنے والوں کی تعداد کم ہے۔یوں اعلیٰ سطح کی تدریس محدود پیمانے پر ہونے کے باوجود انقرہ میں شعبہ اردو کے قیام سے لے کر آج تک تسلسل سے جاری ہے۔اب تک اس شعبہ سے جن طلبہ نے اردو زبان میں ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے وہ ترکی کی مختلف جامعات میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

استنبول یونیورسٹی

استنبول یونیورسٹی کا شمار ترکی کی قدیم ترین درس گاہوں میں ہوتا ہے۔یہ اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر ترکی کی باقی یونیورسٹیوں سے بلند درجہ رکھتی ہے۔اس کی اہم خصوصیات میں سے ایک اُس کا بلند معیار تعلیم ہے۔استنبول یونیورسٹی نے ترکی کی سماجی، مذہبی، معاشی اور سائنسی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اس یونیورسٹی کی تاریخی اہمیت تمام عالم پر واضح ہے جو نہ صرف ترکی کے تعلیمی اداروں بلکہ تمام دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنا ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

اس یونیورسٹی کی بنیاد بنانے میں مدرسوں نے اہم کردار ادا کیا۔سلطان محمد فاتح نے جب استنبول فتح کیا تو ابتدائی دینی تعلیمات کے لیے تجرباتی طور پر اسکول قائم کیے جنھیں مدرسے کہا جاتا تھا۔سولھویں صدی عیسوی کے اختتام تک یہ اسکول برسر اقتدار حکمرانوں، سپہ سالاروں وغیرہ کو درس دیا کرتے تھے۔وقت گزرنے کے ساتھ جب یہ مدرسے جدید دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل نہ رہے تو ان مدرسوں کی از سرِ نو تشکیل کا سلسلہ شروع کیا گیا جس کے نتیجے میں ۱۸۴۶ء میں اعلیٰ تعلیم کا ادارہ جسے "دارالفنون" کا نام دیا گیا، تعمیر کیا گیا۔دارالفنون میں عورتوں کی تعلیم و تدریس کا انتظام بھی کیا گیا۔دارالفنون میں طب، قانون، سائنس، ادبیات، دین وغیرہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔یہ دارالفنون "بیازت میدان" کے قریب تعمیر کیا گیا۔لیکن خلافت عثمانیہ کے اختتام پر مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۴ء میں عثمانی عہد کے تمام مدارس ختم کروا دیے جو جدیدیت کی طرف پہلا قدم تھا اور دارالفنون کا نام تبدیل کر کے استنبول یونیورسٹی رکھ دیا گیا۔یہاں جدید دور کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طب، قانون، لٹریچر، دین، سائنس اور سوشل سائنس کی تعلیم دی جانے لگی۔اس طرح ترکی میں جدید اعلیٰ تعلیم کو فروغ حاصل ہوا اور یہ یونیورسٹی ہم عصر معاشرے کی توقعات کو پورا کرنے کے قابل ہو گئی۔ابتدائی چند سال کے دوران میں استنبول یونیورسٹی میں جرمنی کے چند تعلیمی اداروں نے فروغ تعلیم میں معاونت کی۔۱۹۳۳ء میں مصطفیٰ کمال پاشا کی اصلاحات کے فروغ اور نئے تعلیمی نظام کے تحت اس یونیورسٹی میں باقاعدہ جدید تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ترک جمہوریہ کے قیام کے وقت ترکی میں اعلیٰ تعلیم کا واحد ادارہ یہی یونیورسٹی تھی۔یہی وجہ ہے کہ یہ ترکی کی باقی یونیورسٹیوں کو اساتذہ کی جماعت فراہم کرنے والی یونیورسٹی تسلیم کی جاتی ہے۔اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل سیکڑوں طلبہ نے ترکی میں دیگر اعلیٰ تعلیمی اداروں کا آغاز کیا۔

حالیہ تحقیق کے مطابق استنبول یونیورسٹی میں سترہ (۱۷) فیکلٹیاں، پانچ (۵) ڈیپارٹمنٹ، تیرہ (۱۳) اسکول، پندرہ (۱۵) انسٹی ٹیوٹ اور چھبیس (۲۶) سینٹر زہیں جو استنبول کے کئی اضلاع میں پھیلے ہوئے ہیں۔ابتداً اس کا بنیادی کیمپس بیازت (میدان) جو استنبول کا قدیم تاریخی علاقہ ہے، میں قائم تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

یونیورسٹی استنبول کے دوسرے علاقوں تک پھیل گئی۔ آج بھی اس یونیورسٹی کا مرکزی کیمپس بیازت میدان میں ہے جس سے کئی فیکلٹیاں اور کالج منسلک ہیں۔ اس یونیورسٹی کی طب کی دو فیکلٹیاں استنبول کے علاقوں جراح پاشا' اور 'چپا میں واقع ہیں۔ باقی فیکلٹیاں استنبول کے دوسرے اضلاع مثلاً باقر کوے، سیسلی، قد کوئے، اوجلر اور باچے کوئے میں واقع ہیں۔ اس یونیورسٹی کے بہت سے ریسرچ انسٹیٹیوٹ اناطولیہ میں بھی ہیں۔

استنبول یونیورسٹی میں ہر سال تقریباً ساٹھ ہزار سے زاید انڈر گریجویٹ طلبہ اور آٹھ ہزار سے زاید پوسٹ گریجویٹ طلبہ مختلف شعبوں میں داخلہ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً دو ہزار سے زاید پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور تقریباً چار ہزار سے زاید اسٹنٹ پروفیسر اور جونیئر تدریسی عملہ (جسے اسسٹنٹ کہا جاتا ہے) تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو استنبول یونیورسٹی جدیدیت اور روشن خیالی کی جانب نہ صرف سیڑھی کی مانند ہے بلکہ زندگی اور سائنس کے درمیان ایک پل فراہم کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ یونیورٹی مصطفیٰ کمال پاشا کے راہنما اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جدید علوم و فنون کے حوالے سے اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اس کی تاریخی اور سائنسی کامیابیاں ترک قوم کے لیے تمغہ امتیاز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس پر تمام ترک قوم فخر کرتی ہے۔ اس یونیورسٹی کی خدمات عالمی سطح پر بھی سندِ اعتراف حاصل کر چکی ہیں۔ استنبول یونیورسٹی ۲۰۱۰ء میں دنیا کی پانچ سو بہترین جامعات میں Academic Ranking of World Universities میں دنیا کی پانچ سو بہترین جامعات کی فہرست میں شامل ہے۔(10)

شعبۂ اردو استنبول یونیورسٹی

استنبول یونیورسٹی میں پاکستان کی طرف سے اردو چیئر انقرہ یونیورسٹی کی چیئر کے انتیس سال بعد ۱۹۸۵ء میں قائم کی گئی۔ یوں تو استنبول یونیورسٹی میں اردو چیئر کے قیام کی کوششیں ۱۹۷۴ء سے کی جا رہی تھیں اور اس دوران میں کبھی کبھار انقرہ یونیورسٹی سے پاکستانی پروفیسر کانفرنس یا سیمینار لیکچر دینے کے لیے ادبیات فیکلٹی استنبول یونیورسٹی جاتے تھے۔ اس سلسلے میں انقرہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر حنیف فوق اور یعقوب مغل (سفارت خانے کے وزیر اتاشی) اس قسم کے سیمینار لیکچر دیا کرتے تھے۔ یہ سیمینار مشرقی ادبیات فیکلٹی شعبہ عربی و فارسی میں شوقین طلبہ و اساتذہ کو دیے جاتے تھے۔ اس دوران میں کچھ عرصہ شعبہ فارسی کا نام "شعبہ فارسی اور پاکستانی تہذیب کر دیا گیا۔ تبدیلی نام کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ شعبہ اردو کے قیام کے لیے راہ ہموار کی جائے لیکن اساتذہ کی عدم موجودگی اور قانونی مسائل کے پیش نظر اس فیصلے کو ترک کر دیا گیا۔ یوں ۱۹۸۴ء تک اس شعبے میں نہ اردو چیئر قائم کی جا سکی اور نہ کوئی استاد ہی باقاعدہ اردو زبان پڑھانے کے لیے جا سکا۔

جب ۱۹۸۵ء میں استنبول یونیورسٹی میں حکومت پاکستان کی طرف سے اردو و مطالعہ پاکستان چیئر قائم کی گئی تو اس چیئر پر پاکستان کی طرف سے شعبۂ اردو اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے استاد پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کو بھیجا گیا۔ انھوں نے چیئر فار اردو اینڈ پاکستان اسٹڈیز کی ذمہ داریاں ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو سنبھالیں۔ چوں کہ وہاں پہلے سے اردو زبان کا شعبہ قائم نہیں تھا اور جو کوششیں کی جا رہی تھیں، انھیں بھی ترک کر دیا گیا تھا اس لیے ابتداً اردو شعبہ، عربی شعبہ سے منسلک کر دیا گیا۔ مشرقی ادبیات فیکلٹی میں اُس وقت عربی اور فارسی دو مکمل شعبہ جات کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اپنے ساڑھے چار سالہ قیام میں معمول کی تدریس و تحقیق کے علاوہ مسلسل یہ کوشش کی کہ یہاں پاکستانی زبان کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے جو تدریس و تحقیق میں خود کفیل ہو۔ جس طرح باقی مشرقی زبانوں اور مغربی زبانوں کے شعبہ جات ہیں۔ چوں کہ ترکی تعلیمی دستور کے مطابق کوئی نیا شعبہ کسی ترک استاد کی سربراہی میں قائم ہو سکتا ہے۔ مہمان پروفیسر یا اسکالر (Visiting Professor) صرف شعبے میں معاونت کر سکتا ہے یعنی نیا شعبہ قائم کرنے کے لیے مہمان پروفیسر مقامی طلبہ میں سے کسی طالب علم کو تیار کرے جو چند سال کے اندر اندر نئے شعبے کی ذمہ داریاں بحیثیت سربراہ کے سنبھالنے کے قابل ہو سکے۔ یوں ۱۹۸۵ء میں استنبول یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے قیام کے لیے جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اس امر کے لیے اپنے قیام کے دوران میں مقامی استاد تیار کرنے کی کوشش کی جو اُن کے جانے کے بعد اردو شعبے کو مسلسل قائم رکھ سکیں۔ ابتداً تو انھیں تدریس کے حوالے سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> "میں جب یہاں پہنچا تو داخلوں کا وقت گزر چکا تھا۔ شعبۂ اردو کی عدم موجودگی میں میرے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ سیمینار لیکچر دوں اور کچھ وقت گزار کر واپس آ جاؤں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ مشرقی زبانوں کا تیسرا شعبہ اردو قائم کرنے کی سعی کروں۔ میں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

> نے دوسری صورت کو ترجیح دی اور مشرقی زبانوں کے صدر پروفیسر ڈاکٹر نہاد چین اور ادبی فیکلٹی کے ڈین پروفیسر سنجر پر اپنا موقف واضح کر کے انھیں اپنا ہم خیال بنایا۔ اس طرح فوری طور پر سیمی نار لیکچروں کے علاوہ اردو آپشنل کی ایک کلاس بھی شروع کر دی گئی۔ ان لیکچروں میں ادبیات فیکلٹی عربی و فارسی کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبہ شریک ہوتے تھے۔"(11)

باقاعدہ اردو کی تدریسی کلاس کا آغاز ۱۹۸۶ء میں کیا گیا جس میں سولہ طلبہ و طالبات نے داخلہ لیا۔ ابتداً اس کلاس کا کوئی امتحان نہیں رکھا گیا۔ طلبہ تین چار ماہ تک اپنے شوق کی خاطر آتے رہے۔ بعد میں اپنے دوسرے سمسٹر امتحانات میں مصروف ہو گئے لیکن ان میں سے چار طلبہ مستقل رہے جو بعد میں اردو زبان کے سمسٹر کورس کی ثانوی کلاس (بی اے) میں داخل ہوئے۔ ان چار طلبہ میں سے گریجویشن میں بہتر پوزیشن لینے والی تین طالبات کو شعبہ میں بطور اسکالر لینے اور تدریسی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے ڈین فیکلٹی سے گزارش کی گئی۔ ان میں سے دو طالبات زینب اوزون اور فاطمہ زینب یوجل کو بی۔ اے کی تعمیل کے بعد یونیورسٹی انتظامیہ کی مرضی سے ایم اے کے لیے اسکالر مقرر کر لیا گیا تا کہ تحقیقی مقالے کی تیاری کے دوران میں یہ طالبات اردو زبان کی ابتدائی کلاس (ایف اے) کو پڑھانے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی مدد کر سکیں۔

اگلے سال کی ثانوی کلاس میں سے دو طالب علم گلر نوح اوغلو خانم اور خلیل طوقار نے بی۔ اے کے اختیاری مضمون اردو میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ جنوری ۱۹۸۹ء میں گلر نوح اوغلو خانم کا تقرر بطور لیکچرار (اسٹان) شعبہ اردو میں کیا گیا۔ یہ طالبہ اپریٹس کے طور پر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے ساتھ کام کرتی رہیں۔ گلر نوح اوغلو نے ایم اے کے لیے تاریخ کے موضوع بیہقی، پر مقالہ تیار کیا۔

بی۔ اے میں اوّل پوزیشن لینے والے دوسرے طالب علم خلیل طوقار کو مارچ ۱۹۹۰ء میں اسٹنٹ کے طور پر شعبے میں تعینات کیا گیا۔ انھوں نے ایم۔ اے کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ اردو و فارسی کے معروف شاعر مرزا اسد اللہ خان غالب کے حیات و آثار پر لکھا۔ مقالے کی تیاری کے ساتھ وہ تدریسی امور بھی سیکھتے گئے۔ یوں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی ساڑھے چار سالہ کوششوں کے بعد استنبول یونیورسٹی میں اردو زبان کے شعبہ کا ڈھانچہ تعمیر ہو گیا۔ ۱۹۹۰ء میں پاکستان واپسی سے قبل اُنھوں نے ادبیات فیکلٹی کے ڈین پروفیسر سنجر سے اصرار کیا کہ اُن کے جانے کے بعد شعبہ بند نہ کیا جائے بل کہ خلیل طوقار کو شعبۂ اردو کے فرائض سونپ دیے جائیں۔ ان کی واپسی پر ناساز گار حالات کے باوجود اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فیکلٹی ڈین نے شعبۂ اردو کو قائم رکھا اور اس کے اختیارات خلیل طوقار کو سونپ دیے۔ ساتھ ہی انھیں پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کا موضوع "ہندوستان میں اردو اور فارسی شاعری اور عہد بہادر شاہ ظفر کے شعرا" الاٹ کر دیا گیا۔ اُن کے مقالے کی نگرانی شعبہ فارسی کے پروفیسر نظیف خواجہ کے سپرد کر دی گئی۔ اس دوران میں تین سال تک شعبہ میں تدریسی کلاسوں کا سلسلہ تعطل کا شکار رہا۔ ۱۹۹۲ء میں اسلام آباد سے سید امتیاز بخاری استنبول یونیورسٹی کے بین الاقوامی تعلقات (انٹر نیشنل ریلیشن) کے شعبہ میں پڑھانے کے لیے گئے۔ ساتھ ہی انھیں شعبہ اردو میں تدریس کا کام بھی سونپا گیا۔ ان کے حوالے سے ڈاکٹر خلیل طوق اُر لکھتے ہیں:

> "۔۔۔پاکستان سے سید بخاری صاحب تشریف لائے۔ وہ بہت اچھے اور لائق انسان تھے لیکن وہ بین الاقوامی تعلقات کے شعبے سے منسلک تھے۔ اس لیے ان کو ہمارے شعبے میں اردو کے الف خواں طالب علموں کو اردو پڑھانا شاید کچھ پسند نہ آیا ہو گا۔ ان کے کہنے پر پاکستانی حکومت نے پاکستان سے اساتذہ بھیجنے کا سلسلہ ملتوی کر دیا اور یہ چیئر بند کر دی گئی۔ ۱۹۹۶ء تک شعبہ میں یہی حالت رہی اور اس دوران کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔"(12)

ان حالات کے باوجود ڈاکٹر خلیل طوقار کی کوشش سے شعبہ اردو بند نہیں کیا گیا اور ۱۹۹۴ء میں باقاعدہ طالب علموں کا داخلہ شروع کیا گیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک اردو زبان و ادب کی کلاسیں جاری ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں اس شعبے میں ایک اسٹنٹ احمد ابریوکسل کا تقرر کیا گیا۔ ۱۹۹۷ء میں پاکستان سے منصور اکبر کنڈی کا تقرر اردو چیئر پر ہوا۔ کنڈی صاحب تین سال تک ڈاکٹر خلیل طوقار کے ساتھ مل کر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ تین سال بعد جب وہ واپس چلے گئے تو حکومتِ پاکستان نے اس چیئر کو بند کر دیا اور تاحال یہ چیئر دوبارہ بحال نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر خلیل طوقار نے ۱۹۹۵ء میں اپنا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ فارسی کے استاد پروفیسر نظیف خواجہ کی نگرانی میں مکمل کیا۔ ترکی میں اردو زبان و ادب پر پی ایچ ڈی کرنے والے ڈاکٹر شوکت بولو کے بعد یہ دوسرے ترک اسکالر ہیں۔ ڈاکٹر خلیل طوقار کے بعد ۲۰۰۴ء میں شعبہ اردو میں ذکائی قارداش کا تقرر اسسٹنٹ کے طور پر ہوا۔ ذکائی قارداش نے ڈاکٹر خلیل طوق آر کی نگرانی میں (۲۰۱۱ء) میں اپنا پی ایچ۔ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا۔ ان کے مقالے کا موضوع "مولانا ابوالکلام آزاد، ترک اور ترکی الہلال کے تناظر میں)" ہے۔ ان کے علاوہ شعبہ میں ایک اسسٹنٹ آرزو سورین کا تقرر کیا گیا۔ انھوں نے ایم۔ اے فارسی استنبول یونیورسٹی سے کیا ہے۔ ایم۔ اے کے بعد اپنا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

پی ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا۔انھوں نے پاکستان کی نمل یونیورسٹی سے اردو زبان کا ایک سالہ ڈپلوما بھی کیا ہوا ہے۔ان کے علاوہ آج کل خدیجہ گورگون ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر اس یونیورسٹی میں کام کر رہی ہیں۔

ان دنوں استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پروفیسر ڈاکٹر جلال سوئیدان، ڈاکٹر ذکائی قارداش (صدرِ شعبہ) کے ساتھ، ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر درمش بلغور تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ڈاکٹر ڈرمش بلغور نے ۱۹۹۵ء میں ایم۔اے اردو انقرہ یونیورسٹی سے کیا۔اس کے بعد اسسٹنٹ کے طور پر سلجوق یونیورسٹی قونیہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔اس دوران میں انھوں نے ۱۹۹۹ء میں انقرہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر سلمی بینلی کی نگرانی میں اپنا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ برصغیر پاک و ہند کے اسلامی افکار کے رجحانات (۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۰ء) مکمل کیا۔ڈاکٹر ڈرمش بلغور نے اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد پاکستان سے ایک سالہ اردو زبان کا ڈپلوما بھی حاصل کیا ہے۔اس کے علاوہ وہ پاکستان میں "رومی چیئر" پر اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی میں 2012ء سے 2017ء تک تعنیات رہے ہیں۔

استنبول یونیورسٹی میں پڑھائے جانے والے نصاب کی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو وہ درسی کتب سامنے آتی ہیں جنھیں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے شعبہ کے اسسٹنٹ کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا۔چوں کہ استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے پہلے انقرہ یونیورسٹی میں ترک طلبہ کو پاکستانی بچوں کے لیے لکھی گئیں ابتدائی اردو کی کتابیں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھیں۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے یونیورسٹی کی سطح کے طالب علموں کے لیے اس نصاب کو نامناسب سمجھا اور نصاب کے لیے اردو و ترکی زبان میں ایک درسی کتاب (گریمر و متن) تیار کی۔اس کتاب کی تیاری میں شعبہ کی اسسٹنٹ زینب اوزون نے ان کا ساتھ دیا۔بعد میں یہ کتاب مقتدرہ قومی زبان سے ترکی کے ذریعے اردو سیکھیے" کے نام سے ۱۹۹۰ء میں شایع کی گئی۔بنیادی طور پر یہ کتاب ترک طالب علموں کے لیے مرتب کی گئی تھی۔اس لیے صرف و نحو کے دقیق مسائل سے پہلو تہی کرتے ہوئے گریمر کے بنیادی مسائل کو سادہ انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ طالب علم کو سمجھنے میں آسانی ہو۔تلفظ کی صحیح تفہیم کے لیے اس کتاب میں ہر اردو لفظ کا صحیح تلفظ موجودہ ترکی رسم الخط (لاطینی حروف) میں درج کیا گیا۔اس کتاب میں اردو اور ترکی زبان کے مصادر کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ انھوں نے ایک کتاب ترک طلبہ کے لیے اُردو گریمر (مع مشقیں) ترکی زبان میں تیار کی۔یہ مسودہ ایک سو فل سکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔اس تالیف میں زبان کے بنیادی ڈھانچے یعنی افعال کی تعریف کی خاصی مثالیں اردو اور ترکی دونوں زبانوں میں متبادل طور پر دی گئی ہیں جو دونوں زبانوں کے سیکھنے والوں کو مدد دے سکتی ہیں۔یہ کتاب ترکی کے موجودہ لاطینی حروف میں تیار کی گئی تھی۔اس کتاب کی اشاعت اب تک نہیں ہو سکی۔تدریس کے لیے ہر سال فوٹو کاپی کی صورت میں طلبہ کو یہ مسودہ مہیا کر دیا جاتا تھا اور اب تک یہی صورت حال جاری ہے۔

ڈاکٹر غلام حسین نے درسی اسباق (متن) کی صورت میں بھی ایک مسودہ تیار کیا تھا۔اس مسودے کے متن میں اُنھوں نے تین باتوں کو پیش نظر رکھا۔اوّل: زبان آسان اور جملے سادہ و سلیس ہوں۔اردو اور ترکی کے مشترک لفظی سرمائے کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا تاکہ ترک طلا سے زیادہ استعمال کیا تاکہ ترک طلبہ آسانی سے اردو زبان سیکھ لیں۔دوم: مواد کے لحاظ سے بچوں کی نفسیات کے بجائے بالغ طلبہ کے مزاج کو پیش نظر رکھا۔سوم: پاکستان کے بارے میں ضروری معلومات کو (تاریخ اور عصری احوال کے ساتھ) ان اسباق میں سمویا تاکہ ترک طلبہ اردو زبان کے ساتھ ساتھ مطالعہ پاکستان کی مبادیات سے آگاہ ہو سکیں۔یہ مسودہ اردو زبان میں تیار کیا گیا اور اس مسودے میں ضروری الفاظ کی اردو، ترکی فرہنگ بھی شامل کی گئی۔یہ مسودہ بھی قریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس مسودے کی اشاعت بھی ابھی تک ممکن نہیں ہو سکی لیکن شعبۂ اردو کے طلبہ کو ہر سال اس تیار مسودے کو عکسی نقل (فوٹو کاپی) کی صورت میں مہیا کر دیا جاتا ہے۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے نصاب کے حوالے سے ترکی اور پاکستان کے ذہنی و فکری روابط کی تفہیم کے لیے جو بنیادی نوعیت کا کام کیا اُسے موجودہ اساتذہ نے اضافوں کے ساتھ نصاب میں شامل کر رکھا ہے۔اس نصاب کے علاوہ ہر سال طالب علموں کی دینی صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلاسیک اور جدید اردو نثر اور شاعری کا متن پڑھایا جاتا ہے تاکہ طلبہ کو اردو زبان میں ہونے والی اب تک کی تبدیلیوں سے آگاہ کیا جا سکے۔ابتدائی کلاس کے طلبہ کو مختصر اخلاقی و ادبی مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں۔جدید شاعری کا کچھ متن پڑھا دیا جاتا ہے جو طلبہ آسانی سے سمجھ سکیں اور ابتدائی بول چال، گفتی، پھلوں، سبزیوں کے نام، متفرق اشیا کے اسما وغیرہ سکھائے جاتے ہیں۔سال سوم و چہارم میں باقاعدہ اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔نثر کا حصہ اردو کے کلاسیکی ادب مثلاً باغ و بہار، اخلاق ہندی، توتا کہانی اور اس جیسی قدیم داستانوں میں سے آسان متن انتخاب کر کے پڑھایا جاتا ہے۔حصہ نظم میں کلاسیکی اور جدید شاعری کو ملا کر پڑھایا جاتا ہے۔واضح رہے کہ استنبول یونیورسٹی میں بھی ذریعہ تدریس ترکی زبان ہے لہٰذا مذکورہ بالا تمام نصاب اردو زبان میں پڑھانے کے بعد ترکی زبان میں سمجھایا جاتا ہے۔شعبۂ اردو استنبول یونیورسٹی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

کے تعلیمی امتحانات کا طریق کار انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو جیسا ہی ہے۔ مجموعی طور پر استنبول یونیورسٹی کا شعبہ اردو روز بروز مستحکم ہو رہا ہے اور اس کے استحکام کا سہرا اس شعبے کے اساتذہ کے سر جاتا ہے۔

سلجوق یونیورسٹی

قونیہ میں سلجوق یونیورسٹی ۱۹۷۵ء میں قائم ہوئی۔ چوں کہ سلجوقی سلاطین نے اپنے عہدِ حکومت میں قونیہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا اس لیے یونیورسٹی کا نام سلجوقی سلطنت کے نام پر "سلجوق یونیورسٹی" رکھا گیا۔ اس یونیورسٹی میں تعلیمی سیشن کا آغاز ۱۹۷۶ء میں دو فیکلٹیوں فیکلٹی آف سائنس اور فیکلٹی آف لٹریچر سے کیا گیا۔ ان فیکلٹیوں میں سات ڈیپارٹمنٹ اور دو مستقل لیکچرار تعینات کیے گئے۔ پہلے تعلیمی سیشن میں ۳۲۷ طلبہ نے داخلہ لیا۔ بہت کم مدت میں اس یونیورسٹی نے ترقی کی منازل طے کیں۔ سلجوق یونیورسٹی اپنے طرزِ تعمیر، سائنس و ٹیکنالوجی اور ثقافتی سرگرمیوں کے لحاظ سے ترکی کی جدید یونیورسٹی تسلیم جاتی ہے جو جدید سائنسی ساز و سامان اور سہولتوں سے آراستہ ہے۔ سلجوق یونیورسٹی کے چار جدید کیمپس ہیں جن میں سے تین کیمپس قونیہ شہر کے وسط میں اور ایک "قرامان (قونیہ کے جنوبی حصے کا علاقہ) میں قائم ہے۔ اس یونیورسٹی کے چوبیس ووکیشنل کالج مختلف جگہوں پر قائم ہیں اور یہ یونیورسٹی سولہ فیکلٹوں پر مشتمل ہے۔ اس یونیورسٹی کے ساتھ ہائر ایجوکیشن اسکول آف فارن لینگویجز، پچیس اعلیٰ تعلیم کے ووکیشنل اسکول، تیرہ تحقیقاتی اور Application سینٹر بھی ملحق ہیں۔

حالیہ تحقیق کے مطابق سلجوق یونیورسٹی میں تقریباً ساٹھ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور تقریباً تین ہزار نو سو اساتذہ اس یونیورسٹی سے منسلک ہیں۔ سلجوق یونیورسٹی اپنے طلبہ کی کامیابی کے لیے انھیں جدید سہولیات مہیا کرتی ہے۔ تمام مضامین کو پڑھانے کے لیے جدید طریق تدریس اپنایا جاتا ہے۔ اس یونیورسٹی میں جدید پروگرامز سے لیس تقریباً سات ہزار کمپیوٹر موجود ہیں جو طلبہ کو عصرِ حاضر کی معلومات عامہ سے روشناس کرواتے ہیں۔ اس کے علاوہ سو کے قریب جدید سائنسی لیبارٹریاں بنائی گئی ہیں۔ سلجوق یونیورسٹی کا شمار ترکی کی اُن جدید یونیورسٹیوں میں کیا جاتا ہے جنھوں نے بہت کم مدت میں ترقی کی منازل طے کی ہیں۔

شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی

سلجوق یونیورسٹی کے ریکٹر پروفیسر خلیل جن (Halil Cin) کی ذاتی دل چسپی کی بنا پر ۱۹۸۵ء میں فیکلٹی آف لٹریچر میں اردو زبان و ادب کا شعبہ قائم ہوا۔ اس شعبہ کی تاسیس میں پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی کاوشیں بھی شامل ہیں جو ان دنوں پاکستان سے استنبول یونیورسٹی میں اردو چیئر پر تعینات تھے۔ اس شعبے کی سربراہی ڈاکٹر ایرکان ترکمن کے سپرد کی گئی جن کی ولادت پشاور (پاکستان) میں ہوئی تھی اور انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر سے حاصل کرنے کے بعد انٹر میڈیٹ ایم۔ اے۔ او کالج لاہور سے کیا۔ اُس کے بعد ترکی چلے گئے اور استنبول یونیورسٹی سے ترکی ادبیات میں گریجوایشن کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد فارسی زبان میں پی ایچ ڈی کرنے کے لیے شعبہ فارسی میں رجسٹر ہوئے اور امیر خسرو دہلوی کی زندگی اور اُس کی مثنوی دول رانی خضر خان: تدوین و تنقید کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد ترکی کی مختلف جامعات میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں سلجوق یونیورسٹی کے شعبہ اردو زبان و ادب کے قیام پر انھیں شعبے کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ڈاکٹر ایرکان ترکمن نے شعبے کی پیش رفت میں اہم کردار ادا کیا۔ طلبہ کے لیے نصابی کتب ترتیب دیں، اردو شاعری کی مختصر تاریخ بھی تحریر کی۔ ڈاکٹر ایرکان ترکمن نے ۱۹۹۷ء میں نوریہ بلیک کو ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر شعبے میں تعینات کیا۔ نوریہ بلیک نے ۱۹۸۵ء میں بی۔ اے کی ڈگری شعبہ اردو انقرہ یونیورسٹی سے، ایم۔ اے کی ڈگری شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی سے ڈاکٹر ایرکان ترکمن کی نگرانی میں ترکی اور اردو زبان میں گریمر کی بعض مشابہتیں کے موضوع پر مقالہ لکھ کر اور ۱۹۹۷ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ڈاکٹر شوکت بولو کی نگرانی میں سجاد حیدر یلدرم اور افسانہ نگاری" کے موضوع پر مقالہ تحریر کر کے شعبہ اردو انقرہ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ۱۹۹۸ء میں وہ اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئیں۔ ڈاکٹر ایرکان ترکمن کی ریٹائرمنٹ کے بعد انھیں شعبۂ اردو کی چیئر پرسن بنا دیا گیا۔ ۲۰۰۹ء میں وہ ترقی کر کے ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر پہنچ گئیں۔ بعد ازاں ان کو پروفیسر کر دیا گیا۔ انھوں نے شعبہ اردو کے طلبہ کے لیے گریمر اور فکشن کے تراجم کے حوالے سے کافی کام کیا ہے۔ ان کی سربراہی میں شعبے نے بہت ترقی کی۔ یہی وجہ ہے کہ گریجوایشن میں باقی دونوں یونیورسٹیوں کی نسبت یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی تعداد زیادہ ہے۔ ۱۹۹۷ء میں شعبہ میں خاقان قیومجو کو ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر تعینات کیا گیا۔ انھوں نے بی۔ اے شعبۂ اردو انقرہ یونیورسٹی سے کرنے کے بعد ۱۹۹۴ء میں شعبہ اردو سلجوق یونیورسٹی سے ڈاکٹر ایرکان ترکمن کی نگرانی میں "اردو تھیٹر کی وسعت اور آغا حشر کاشمیری" کے عنوان پر مقالہ لکھا، جب کہ ۲۰۰۳ء میں پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "اردو ناول نگاری کا پہلا دور شعبہ اردو انقرہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر سلمیٰ مینلی کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

زیر نگرانی مکمل کیا اور اسی سال ۲۰۰۳ء میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ تاحال وہ شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی سے منسلک ہیں اور سال اول تا چہارم کے طلبہ کو تاریخ اردو ادب، کلاسیکی نثر و شاعری اور جدید اردو نظم و نثر پڑھاتے ہیں۔ خاقان قیومجو کے بعد ۱۹۹۸ء میں نورائی ازپیچ کو ریسرچ اسسٹنٹ تعینات کیا گیا۔ انھوں نے ۱۹۹۵ء میں شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی سے بی اے اور ۱۹۹۸ء میں اسی شعبے سے ڈاکٹر نوریہ بلیک کی نگرانی میں ایم۔اے کا مقالہ بعنوان پریم چند اور اُس کی افسانہ نگاری مکمل کیا۔ تاحال وہ اسی شعبے سے ریسرچ اسسٹنٹ (لیکچرار) کے طور پر منسلک ہیں۔ ان کے علاوہ اس وقت بطور لیکچرار نورائی اوزترک شین پڑھا رہی ہیں۔ وہ اس شعبے میں ۱۹۹۶ء میں ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر منسلک ہوئیں۔ اس دوران میں انھوں نے ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر نوریہ بلیک کی نگرانی میں اپنا ایم۔اے کا مقالہ "مولوی نذیر احمد اور اُن کی ناول نگاری" کے عنوان سے مکمل کیا اور اسی سال انھیں لیکچرار کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ ان اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر درمش بلغور ۱۹۹۵ء میں ایم۔اے کے بعد شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی سے ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر منسلک رہے۔ ان دنوں وہ استنبول یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس شعبے کی خاص بات یہ ہے کہ اس شعبے کو ابتداً ہی سے ترک النسل اساتذہ کی خدمات حاصل رہی ہیں۔ مختصر عرصے کے لیے انقرہ سے پاکستانی چیئر پر فائز استاد احمد نواز (۱۹۹۵ء تا ۱۹۹۹ء)، ڈاکٹر ایرکان ترکمن کے ساتھ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے لیکن سلجوق یونیورسٹی میں پاکستانی چیئر قائم نہیں کی گئی اور نہ مستقبل میں اس چیئر کے قائم ہونے کا کوئی امکان ہی نظر آتا ہے۔ اس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو زبان و ادب کی خدمات کا تمام تر سہرا مقامی اساتذہ کے سر جاتا ہے۔

سلجوق یونیورسٹی کے شعبۂ اردو زبان و ادب میں اردو پڑھنے والے طلبہ کی تعداد انقرہ اور استنبول یونیورسٹی سے نسبتاً زیادہ رہی ہے۔ یہاں بی۔اے اور ایم۔اے اردو کے مقالات کی نگرانی کی جاتی ہے۔ اس شعبے میں تاحال پی ایچ۔ڈی نہیں کروائی جاتی۔ اس کے لیے طلبہ کو انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں رجسٹر ہونا پڑتا ہے۔ نصاب کے حوالے سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر ایرکان ترکمن نے ابتدا چند نصابی کتب ترتیب دی تھیں جن میں گریمر، ترکی سے اردو تراجم، اردو سے ترکی تراجم وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ باقاعدہ کوئی نصاب ترتیب نہیں دیا گیا۔ طلبہ کو سالِ اوّل تا چہارم (بی اے) میں ابتدائی بول چال، مختصر اردو زبان کی تاریخ، کلاسیکی اردو نثر، جدید اردو نظم و نثر کے علاوہ ابتدائی ہندی کے حروف اور جدید ہندی متن بھی سکھایا جاتا ہے۔ ہندی زبان کی تدریس نورائی ازپیچ کر رہی ہیں۔

شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی کا امتحانی طریق کار پہلی دونوں یونیورسٹیوں کی طرح کا ہی ہے۔ یہاں بھی بی۔اے کا امتحان پاس کرنے کے لیے پچاس سے سو صفحات پر مشتمل اسائنمنٹ تیار کرنا ہوتی ہے۔ اُس کے بعد ایم اے کے لیے رجسٹر کیا جاتا ہے۔ شعبۂ اردو سلجوق یونیورسٹی سے اب تک تقریباً چار طالب علم ایم۔اے کر چکے ہیں اور اب استاد کی حیثیت سے اس شعبے سے منسلک ہیں۔ سلجوق یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں پی ایچ ڈی کے مقالات کے لیے طلبہ کو رجسٹر نہیں کیا جاتا کیوں کہ اس شعبے میں کوئی پروفیسر موجود نہیں ہے۔ شعبہ کی چیئر پرسن نوریہ بلیک ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ اُن کی پروفیسر کے عہدے پر ترقی کے بعد پی ایچ ڈی کے لیے طلبہ کو رجسٹر کیا جا سکے گا۔ تاحال پی ایچ۔ڈی کے لیے طلبہ کو انقرہ یونیورسٹی میں رجسٹر ہونا پڑتا ہے۔ سلجوق یونیورسٹی کے شعبہ اردو زبان و ادب کی خدمات کو ڈاکٹر سعادت سعید نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

> "سلجوق یونیورسٹی کا شعبہ اردو اسلامی تاریخ و تمدن، تاریخ پاک و ہند اور اردو ادبیات کی تحقیق و ترویج کے سلسلے میں خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس شعبے نے جہاں اسلامی دنیا میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے رواج کے بعد فقہ، حدیث، معیشت، جغرافیہ، تاریخ اور سیرت کا سراغ لگا کر اس نتیجے کا اعلان کیا ہے کہ اردو میں بھی ان موضوعات پر بیش بہا کتب دستیاب ہیں اور ان کا مطالعہ اسلامی تمدن کے گہرے نقوش کو سامنے لا سکتا ہے۔ وہاں اس شعبے سے متعلقہ دانش وروں اور محققوں نے برصغیر میں اردو زبان کو مسلمانوں کے ایک عظیم اثاثے کی حیثیت سے قبول کرتے ہوئے اس میں لکھی جانے والی ادبی اور تمدنی کتب کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اردو زبان، برصغیر میں ترک، ترکے کی حیثیت سے بھی ان کے لیے انتہائی اہم ہے۔ ان کے لیے زمانہ حال کے پاکستان اور ہندوستان میں موجود اردو زبان، وسیع تر ترک تمدن کے ایک حصے کو بطور ان کے اپنے کٹے پھٹے جگر کا ایک ٹکڑا ہے۔ ان کے خیال میں برصغیر پاک و ہند میں غزنویوں، غوریوں، مملوک دہلوی سلطانوں اور مغلوں کی قائم کردہ عظیم سلطنتیں اور بادشاہتیں اس علاقے میں ترک تاریخ اور ثقافت کے انمول خزینوں سے مالا مال رہیں۔ ترک تیمور اور چنگیز خان کی بگٹٹ یلغاروں کے مقابلے میں ہندوستان میں بابری مغلوں کے تشکیل کردہ تمدن کو دل و جان سے عزیز جانتے ہیں۔ برصغیر میں ترک اپنے فنون حرب، فنون تعمیر، فنون

لطیفہ، فنون آداب مجالس، سیکولر یا آزاد خیال رسوم ورواج، دینی اور مذہبی عدم مداخلت کی حکمت عملیوں پر جتنا فخر کر سکیں کم ہے۔ مغلوں کے ایک آدھ بادشاہ کو چھوڑ کر جس کی تلوار سب سے پہلے اپنوں کے خون سے رنگین ہوئی تھی، کسی بھی بادشاہ نے ہندوستان کے مقامی مذاہب کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کی۔ ترکی کی یہ آزاد خیال روش آج بھی اپنے عروج پر ہے۔"(13)

ان تینوں یونیورسٹیوں کے علاوہ ترکی میں اردو زبان کی تدریس سفارت خانے کے پاکستانی ہائی اسکول (انقرہ) میں پرائمری سے لے کر اعلیٰ ثانوی سطح تک ہو رہی ہے لیکن اسکول کے طالب علم پاکستانی ہیں۔ اس اسکول کی تمام کلاسوں میں اردو بطور لازمی مضمون پڑھائی جاتی ہے۔ اگرچہ اسکول کا ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے لیکن اردو کے علاوہ اسلامیات اردو زبان میں پڑھائی جاتی ہے۔ درج بالا ترکی میں اردو تدریس کے اداروں کے اجمالی جائزے سے اس بات کے امکانات روشن ہیں کہ ترکی میں اردو زبان وادب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجوہات بھی بہت ٹھوس بنیادوں پر استوار ہیں۔ امکانات ہیں کہ تدریس کا یہ سلسلہ مزید وسعت اختیار کرے گا۔

حواشی

(1) راقمہ کے پاس ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا ہاتھ سے تحریر شدہ مضمون "ترکی وار دو زبانوں کا تقابلی مطالعہ" محفوظ ہے جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔

(2) حنیف، عابدہ۔ ترکی اردو کے مشترک الفاظ کا جائزہ، اردو ترکی لغت (مع ترکی اردو اشاریہ)۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء، ص ۴

(3) آبیک، ظفر حسن، خاطرات (آپ بیتی)، مرتب: غلام حسین ذوالفقار، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1990ء، ص334

(4) ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، جدید ترکی کا بانی مصطفیٰ کمال پاشا (ظفر اور اقبال کی نظر میں)۔ مشمولہ اقبال، ایک مطالعہ۔ لاہور: بزم اقبال، اکتوبر ۱۹۹۷ء – ص ۱۸۹، ۱۹۰۔ (مغربی مصنف "اسٹینلے لین پول نے اولا دولت عثمانیہ کے لیے "مرد بیمار Sick man کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اس وقت کی اہم مغربی طاقتیں مثلاً فرانس، برطانیہ، جرمنی، مسلسل اس مرد بیمار پر نظر رکھے ہوئے تھیں)۔

(5) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (جلد دوم)، لاہور، شعبۂ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، طبع ثانی 2003ء

(6) طوقار، خلیل۔ ترکی میں اردو کی سرگزشت) تاریخی پس منظر، آج اور آئندہ سے متعلق درپیش مسائل)۔ مشمولہ مجلہ عالمی اردو سیمینار، ۲۰۰۰ء، لندن: یورپین اردو رائٹرز سوسائٹی، لندن، لیوٹن، ص ۴۷، ۴۸۔

(7) فاروقی، نثار احمد، پیش گفت، مشمولہ ماہنامہ پگڈنڈی (سجاد حیدر یلدرم نمبر)، جلد: ۹، شمارہ: ۵، امرتسر، ص ۲۴۔

(8) اشرف، ڈاکٹر اے بی، ترکی میں اردو، مشمولہ بیرونی ممالک میں اردو، مرتب ڈاکٹر انعام الحق جاوید، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء، ص ۶۱

(9) ایضاً ص ۶۵، ۶۶

(10) http:\\en.wikipedia-org/wiki/Istanbul-university

(11) ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین، ترکی میں اردو تدریس کے مسائل مشمولہ استنبول، ترکیہ (سفر و حضر میں)۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، جنوری ۲۰۰۱ء، ص ۲۴۳۔

(12) خلیل طوق آر، ڈاکٹر۔ استنبول میں اردو مشمولہ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، فروری ۲۰۰۷ء، ص ۱۹۔

(13) www.saadatsaeed.com/urdu/urdu-in-Turkey